صدائے حق

از

مولٰینا ابوالکلام آزادؒ

شاہین بک اسٹال۔ سرینگر

باجازت حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی

قیمت تین روپے چار آنے

یونین پریس۔ دہلی

حضرت امام الہند مولینا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

کے

تاریخی و عالمانہ ارشادات

فہرست

دُنیا کے پیچیدہ مسائل کا حل قرآنِ حکیم کے اندر موجود ہے

جمہوریّت کے بعد سوشلزم بھی ایک غلطی ہے

حضرت امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے تاریخی وعالمانہ ارشادات

جمیعۃ تبلیغ اہلحدیث کلکتہ کے دوسرے سالانہ جلسہ میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی صدارت میں قائد ملت مولانا ابوالکلام آزاد نے مسئلہ تبلیغ پر حسب ذیل اہم اور قیمتی تقریر ارشاد فرمائی۔

برادرانِ عزیز! قبل اس کے کہ اس موقع پر بعض مطالب جو میں آپ لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں پیش کروں، میں چاہتا ہوں کہ چند باتیں بطور تمہید کہہ دوں مجھے یقین ہے کہ اس مجمع میں ایسی تعداد موجود ہے جو بے خبر نہیں کہ میں عام مجمعوں میں شریک ہونا نہیں چاہتا، کچھ تو صحت کی کمزوری کا اقتضاء ہے اور کچھ طبیعت کی افتاد، کہ میری طبیعت دوسری طرف نہیں جاتی، یہ یقیناً میری کمزوری ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ مجھے تھوڑی دیر کے لئے بھی، رسمی تقریر کرنا گراں ہوتا ہے اب چند سالوں سے اگر گوارا بھی کرتا ہوں تو جبر ہے مگر جبر کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں ان قسموں میں ایک خوشگوار جبر بھی ہے۔

خوشگوار جبر اور ایسا ہی ایک خوشگوار جبر اس موقع پر بھی کیا گیا ہے۔ ان حضرات نے جنہوں نے اس جمیعت کی بنیاد ڈالی ہے مجھ سے سخت اصرار کیا۔ میں نے معذرت کی انہوں نے اور زیادہ اصرار کیا۔ میں نے معذرت کی۔

لیکن، ان کے اصرار کے آگے میری معذرت کو شکست ہوئی' میں ان کی بات ماننے پہ مجبور ہو گیا. معاملہ اسی پر ختم نہیں ہوا بلکہ مزید اصرار کیا گیا کہ میں جلسے کا صدر بنوں لیکن میں نے اس کے لئے ہر بار معذرت کی، مگر پھر بھی اصرار کے آگے جھکنا پڑا، اور میں نے وعدہ کر لیا کہ جلسے میں شریک ہو کر کچھ کہدوں۔

چونکہ میں ضروری کاموں کی وجہ سے باہر تھا اس لئے کاموں کو نظر انداز کر کے آنا پڑا، اور یہ موقع ملا کہ آج کے جلسے میں شریک ہوں' اس لئے اب بہتر ہے کہ انجمن کے مقاصد کو دیکھتے ہوئے کچھ کہدوں۔

تقریر کی قسمیں ایک ضروری چیز پہلے بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں' یعنی تقریر کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

ایک تقریر تو وہ ہے جس کا مقصد ہے کہ آپ سے اپیل کی جائے آپ کے دل کو متوجہ کیا جائے۔ آپ کے احساسات کو اُکسایا جائے۔ اور آپ کے جذبات سے کھیلا جائے۔

دوسری تقریر وہ ہے جس کا تعلق دماغ سے ہے اس کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ آپ کا دماغ اس طرف متوجہ ہو۔ کان سُنے' دماغ سوچے اور فیصلہ کرے کہ کہاں تک حقیقت کو پا رہا ہے۔

تقریر کا مقصد میں اس لئے پہلے ہی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میری تقریر پُرجوش نہ ہوگی' ولولہ انگیز نہ ہوگی' آتش بہ دامن نہ ہوگی۔ بلکہ محض انجمن کے مقاصد کے سلسلہ میں کام کی باتیں آپ تک پہنچانے کی کوشش ہوگی تاکہ وہ آپ تک پہنچ جائیں اور آپ غور کریں۔ نیز مجھے یہ کہنے کا

خیال یوں بھی ہوا کہ یہ ایسا جلسہ ہے جہاں علماء موجود ہیں۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ امور غور و فکر سے متعلق ہیں۔ اس کو دوسروں سے زیادہ بہتر یہی کر سکتے ہیں۔

انجمن کے مقاصد

مجھے آپ کی انجمن کے مقاصد معلوم نہیں ہیں، لیکن جہاں تک معلوم ہیں وہ یہ ہیں کہ چند اہل خیر نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ تبلیغ حقیقت کے لئے ایک انجمن قائم کی جائے۔

اقدام اور نفسِ عمل

حالات کو دیکھ کر اُن تمام حضرات کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ایک نہایت مبارک اور مفید اقدام کیا ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کی زندگی کا تعلق ہے وہ اسلام کی حقیقی تعلیم کی دعوت و تبلیغ ہے آپ کی کوششوں کے اثرات دیکھتا ہوں، الحمد للہ آپ نے عظیم الشان جلسہ منعقد کیا ہے۔ مبارک اقدام ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ یہ نہ سمجھے ہوں گے کہ وہ اقدام یہیں ختم ہو جائے گا۔ ضروری ہے کہ آپ کو رخ بھی معلوم ہو، منازل موجود ہوں، اور منزل مقصود بھی پیش نظر ہے۔ علماء کی جماعت کو دینا اور ان کے پند و نصائح سے شہریوں کو فائدہ پہنچانا مبارک اقدام ہے مگر نفس عمل نہیں ہے۔ منزلیں آگے آنے والی ہیں۔ لہذا منزل بھی آپ کے سامنے ہونی ضروری ہے رہی اسلام کی حقیقی تعلیم کی تبلیغ و اشاعت تو عزیزانِ من! ہندوستان کے مختلف ادارے اور جماعتیں اس خدمت کو انجام دے رہی ہیں لیکن عام طور پر دیکھا ہوگا کہ ہندوستان میں تمام کوششیں صرف سالانہ اجتماع کے انعقاد میں صرف کر دی جاتی ہیں۔ اقدام عمل، سعی طلب اور رفع تشنگی کے لئے کوئی قدم نہیں

اٹھتا. اگر واقعی صرف تبلیغ پیشِ نظر ہے تو یہ کافی نہیں۔ کافی ابتداء بھی نہیں۔ ابتداء تو جب ہے کہ اشاعت و تبلیغ کے سلسلے میں یہ بھی سوچا ہو کہ وقت کیا ہے؟ اس کا مطالبہ کیا ہے؟ اُس کا رُخ کدھر ہے؟ اُس کی پیاس کیا ہے؟ آپ کو کس رُخ کا جواب دینا چاہیئے؟ اس کی تشنگی کو بجھانے کے لئے کیسے گلاس میں آبِ حیات انڈیل کر دینا چاہیئے؟ اگر آپ کے سامنے یہ باتیں نہیں، یہ خیال نہیں تو پھر اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ آپ اگر اسلامی کوشش کرتے ہیں تو کیجئے بھلائی ہوگی لیکن آپ اس پر قانع نہ ہو جائیں اور افسوس ہے اگر آپ اسی پر قانع ہو جائیں۔ اسی پر قناعت کرلیں۔

ایک خیال

میں خود بھی فکر میں تھا کہ جمیعۃ العلماء کا ایک جلسہ طلب کیا جائے، کہ مسلمانوں کو جلد دعوتِ عمل دے، غور کرے کہ معاملہ کیا ہے، مسلمان کدھر جارہے ہیں لیکن کس کی تبلیغ؟ کس کے سامنے؟ کس شکل میں کی جائے؟

اب ایک شکل اجمالی طور پر سب کے سامنے آگئی ہے، لیکن یہ موضوع بہت وسیع ہے نہ موقع ہے اور نہ اتنا وقت ہے کہ اس پر تقریر کرسکوں۔

قرآنِ پاک کی عظمت

بہرحال میرے عزیزو! اس وقت تو محض یہ دیکھنا ہے کہ اسلام کیا ہے۔ اللہ کی صداقت کا ایک عالمگیر پیغام ہے۔ ہم تمام کرۂ ارضی پر نظر ڈالیں، اس کرۂ ارضی کی نبض ہاتھ میں لیں اور بیماری کی تشخیص کے بعد اُس کے سامنے آبِ حیات پیش کریں، تمام قوموں کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اُن کو پیاس کس آبِ حیات

کی ہے۔ لیکن آپ کی نظر محدود اور مسئلہ وسیع ہے ہم سے کوتاہی ہو رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علمی حیثیت سے مطالعہ کریں کہ دنیا کی حالت کیا ہے؟ اُس کو ضرورت کس چیز کی ہے تو پتہ چل سکتا ہے اور اگر ہم ایسا کریں تو دنیا کی عجیب بات نہیں ہو سکتی کہ دنیا کی تمام قومیں جس کی تلاش میں ہیں وہ تو آپ کے پاس قرآن میں ہے لیکن حالت یہ ہے کہ ہر گوشے میں اس سے انکار ہے۔

اداروں کا تعصب اور عوام کی حالت

حقیقتاً ایک شخص جو اسلام کی تعلیم اور دنیا کے حالات سے واقف ہو حیرت میں رہتا ہے کہ روشنی ہونے پر بھی دنیا اس کا اعتراف نہیں کرتی اس زمانہ میں حکومتیں اور جماعتیں متعصب ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عوام میں علم کی وسعت نے عقلی نشوونما نے، سائنس کی روشنی نے یورپ اور امریکہ میں ہزاروں نہیں بلکہ کروڑوں بے تعصب پیدا کر دئے ہیں اُن میں اتنی سچائی ہے کہ ہر حقیقت کو مان لیتے ہیں۔ بلاشبہ ان کے اداروں میں اب بھی وہی تعصب کام کر رہا ہے لیکن افراد اپنی چیزوں پر بھی نکتہ چینی کرتے ہیں اور غیروں کی بھی اچھی چیزوں کو مان لیتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام عالمگیر صداقت کے ساتھ موجود ہے اور وہ متوجہ نہیں ہوتے۔ پھر دنیا جس کو ڈھونڈتی ہے وہ اسلام کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن پھر بھی کوئی حرکت ایسی نہیں ہوئی جو ان کو اپنی طرف متوجہ کرے؟ لوگ اس برکت سے محروم ہیں۔ ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں نگاہیں روشنی کی تلاش میں بھٹکتی پھر رہی ہیں۔ روشنی سامنے ہے اور وہ نہیں دیکھتے، کیوں؟ روشنی تو

روشنی باہر نہیں نکلے گی۔

میں صاف صاف کیوں نہ کہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام تمام سچائیوں کے باوجود لوگوں کی غلط فہمیوں کا نشانہ بنا ہوا ہے اس کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں۔ پھیلی ہوئی ہیں اور پھیلائی جا رہی ہیں اور وہ ذوق طلب پیدا نہیں ہوتا جو ہونا چاہئے تھا، اب ضرورت اس کی ہے کہ مدتوں کی لپٹی ہوئی چادر کو ہٹا دیا جائے تاکہ روشنی کو سب دیکھ سکیں اور پروانوں کی طرح اس سے لپٹ جائیں۔

تبلیغ اسلام کے دو میدان

تبلیغ الاسلام کے لئے دو میدان ہیں ایک خارجی دوسرا داخلی خارجی میدان وہ ہے کہ جہاں غیر مسلم قومیں ہیں جہاں غیر مسلمین میں تبلیغ کرنی ہے۔

داخلی میدان

داخلی سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کے اعمال و عقائد کا تعلق ہے جس میدان میں مسلمانوں کے اخلاق و عادات کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ کیا انہیں وہاں حقیقی اسلام کا جلوہ نظر آرہا ہے؟ نہیں، تو اسلام کی تبلیغ کا میدان اہم داخلی ہے کیونکہ ہم سے اس کی جلوہ فرمائی اوجھل ہو گئی ہے۔ ہماری آنکھیں حقیقی اسلام کے جلووں کو ڈھونڈتی ہیں۔ لیکن نہیں دیکھتیں اس لئے صورت حال کو بدل ڈالنے کے لئے ہم سنبھلیں اور قدم اٹھائیں۔

اسلام کی بیرونی اور اشاعت اسلام خارجی کے لئے ضروری ہے کہ ان میں جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں اور پھیلی ہوئی ہیں ہم ان کو دور کریں اس

کے ساتھ ہی اندازہ کریں کہ فکری زندگی کس رخ پر جا رہی ہے اور وہ کس چیز کی ضرورت محسوس کر رہی ہے اس کے بعد ہم ان کی ضرورت کی تمام چیز اسلام کے خزانے سے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں تو ممکن نہیں کہ وہ کسی چوکھٹ پہ سر جھکا دیں۔

اسلام کی مخالفت کا آغاز

بڑی مشکل یہ ہے کہ دنیا میں سب سے بڑی قوم عیسائیوں کی ہے اور یہ معلوم ہے کہ مختلف اسباب ایسے پیدا ہوئے کہ مختلف سیاسی جماعتوں کو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس ضرورت کے ماتحت انہوں نے اس پروپیگنڈے پر اپنی ساری جد و جہد ختم کر دی۔ اس پروپیگنڈے کا آغاز حروب صلیبیہ سے ہوتا ہے۔

یورپ میں تحریک ہوئی کہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے لیا جائے۔ کیونکہ بیت المقدس سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے اور یورپ کی بڑی قومیت عیسائیوں پر مشتمل ہے اسی تحریک کے زیر اثر تین سال کے اندر بیت المقدس پر آٹھ حملے کیے گئے۔ آخر میں صلاح الدین ایوبی نے اس کو فتح کیا۔

غلط بیانیاں

لیکن یہ فتنہ دبا نہیں بڑھتا ہی گیا، مسلمانوں پر غلط الزامات لگائے گئے تاکہ ان کی طرف سے بدظنی اور غلط فہمیاں پھیلیں، تمہیں ان الزامات کو سن کر حیرت ہوگی، کہا گیا کہ مسلمان ایک بت پرست قوم ہے اور محمد ﷺ ایک سونے کا بت ہے جو مدینے میں رکھا ہوا ہے توحید سے انہیں کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو دنیا میں صرف

لوٹ مار کر کے اپنا پیٹ بھرنا چاہتی ہے اب اس قسم کا پروپیگنڈا نہیں ہوتا کیونکہ خود وہاں کے مذہبی اداروں کی حالت خراب ہے خود اپنے متعلق کچھ کہنے کھڑے ہوتے ہیں تو عوام یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ یہ پاگل ہو گیا ہے لیکن صدیوں کا زمانہ گذر چکا، اُن زہریلے خیالات کی اشاعت کی صدائے بازگشت اب تک یورپ میں موجود ہے اور یہ زہریلا پروپیگنڈہ کہ "اسلام جو دراصل انسانیت کے لئے آب حیات ہے۔ زہر ہے"۔ اُن کے لٹریچر کا اہم جزو بن گیا ہے۔ ضرب المثلیں قائم ہو گئی ہیں۔

پھر سولھویں صدی کا جب وہ زمانہ

سولھویں صدی میں دورِ جدید

آیا کہ یورپ میں موجودہ تہذیب کی پیدائش ہوئی اور وہاں کے اداروں نے محسوس کیا کہ قرآن کا ترجمہ کیا جائے اشاعت و تعلیم کا کالج قائم کیا گیا۔ شام سے اہل علم عیسائیوں کو بلوایا گیا۔ قرآن کا تفسیر کے ساتھ لاطینی زبان میں ترجمہ شائع ہوا۔ لاطینی اس وقت یورپ کی علمی زبان تھی۔ اس لئے لاطینی میں ترجمہ ہوا اور یہی عربی کا پہلا ٹائپ ہے جس میں پہلی مرتبہ یورپ میں قرآن شائع ہوا۔ اب حالت پہلی جیسی نہ تھی۔ لیکن اداروں اور مدرسوں میں پڑھنے والوں کی باگ انہیں کے ہاتھوں میں تھی اس لئے اعمال کی تعبیر جس حالت میں کی گئی وہ برائیوں سے خالی نہ تھی وہ اثرات ضائع نہ ہونے پائے ان کا سلسلہ قائم رہا اور یہ حالت سترھویں صدی تک رہی۔

انگریز ہندوستان میں

اس کے بعد انگریز ہندوستان میں آئے۔

مسلمانوں سے ملے پھر بھی جو کتابیں اسلام کے متعلق لکھی گئیں وہ غلط فہمیوں سے پُر اور غلط فہمیاں پیدا کرنے والی تھیں، عیسائی مبلغین کے گروہ آئے تبلیغ و اشاعت کے ادارے قائم ہوئے اسلامی ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ شروع ہوئی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کی تیار کردہ کتب از سر تا پا غلط تھیں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اگر مقدمہ غلط نہ تھا تو تشریح غلط ضرور تھی۔

ہندوستان میں مسیحیت کی تبلیغ

انیسویں صدی میں ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ایک ادارہ قائم کیا گیا یہ وہی زمانہ ہے جب مسلمانوں میں بیداری کی جنبش پیدا ہوئی۔ مولوی محمد حسن اور ڈاکٹر وزیر خاں سینہ تان کر مدافعت کے لئے کھڑے ہو گئے ڈاکٹر وزیر خاں نے انگریزی زبان سیکھی، کتابوں کا مطالعہ کیا اور پادری فنڈلے سے مناظرہ ہوا۔

اُس وقت پادریوں نے جس شکل میں اعتراضات کئے تھے وہ موجودہ یورپ کی ترجمانی نہ تھی۔ موجودہ دور کے یورپ نے چرچ کو شکست دیکر مذہب کا چولا اتار پھینکا ہے۔ مادی اور عقلی نشو و نما دور ہے اور وہ مذہب کو کسی حال میں بھی ماننے کو تیار نہیں۔

مسلمان اور تبلیغ اسلام

لہٰذا تبلیغ اسلام کے لئے مسلمانوں کو دوسری صورتیں اختیار کرنی چاہئیں۔ عیسائی مشنریوں کا نمونہ سامنے موجود ہے دیکھو وہ کس طرح مذہب کی اشاعت کیا کرتے ہیں۔ جس زمانے میں ہندوستان میں تعلیم کا نیا دور شروع ہوا۔ اُسی

زمانے میں مصر اور ترکی میں بھی مشنری اپنا کام کرنے لگی۔ لیکن ترکی میں اسلامی حکومت کی وجہ سے اپنے ارادوں میں ناکام رہے البتہ مصر اور ہندوستان میں انہوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ عیسائیوں کے اعتراضات مسلمانوں اور اسلام پر ہوتے رہے۔ یورپ کا ذہن اور اس کی مشنری الگ ہیں اور ہر گروہ برابر حملے کرتا رہا سبھوں کو جوابات دئے گئے جن میں سے بہت سے اداروں نے جوابات کو مان لیا اور خاموش ہو گئے لیکن اُن کے دوسرے ساتھی برابر اپنے کاموں میں مشغول رہے اور ان سب کا جواب اسلام میں بیک وقت موجود ہے۔ مثلاً

مسئلہ طلاق اور یورپ

عیسائی کہتے ہیں کہ ایک مرد کے لئے ایک وقت میں ایک ہی عورت کی ضرورت ہے اور ایک مذہبی و خوشنمائی رشتے میں پیدا کی گئی ہے اس لئے طلاق غلط ہے گناہ ہے ایک الہی رشتے کو قطع کرنا ہے۔ یہ جملہ ایک مقدمہ ہے۔

لیکن برخلاف اس کے نہ تو اسلام اس کو مقدس اور الہی رشتہ قرار دیتا ہے اور نہ اُس کے انقطاع سے منع کرتا ہے بلکہ اس کو محض ایک مرد اور عورت کے درمیان زندگی نباہنے کے لئے ایک معاہدہ تصور کرتا ہے لیکن واجبات اور فرائض کے ساتھ —— اگر اس معاہدے سے فرائض اور واجبات ادا نہیں ہوتے تو پھر اسلام کے نزدیک یہ معاہدہ اشتراک سوسائٹی کے لئے تعذیب ہے۔ اس لئے اسلام حکم دیتا ہے کہ جب ایسا موقع آجائے تو علیحدہ ہو کر چھٹکارا حاصل کرلو اور زندگی کو خوشگوار بنانے

کے لئے اپنے اپنے راستے اختیار کر لو تاکہ دونوں کی زندگی راحت وسکون سے گذر سکے، کیونکہ اس معاہدے کا اس اشتراک جنسی کا مقصد اور واحد مقصد راحت وسکون کی زندگی گذارنا ہے، تو جب ایسی، زندگی نہ گذر رہے تو زبردستی دونوں کو ساتھ رکھنا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لئے طلاق بھی نکاح کی طرح راحت وسکون کے لئے ضروری ہے لیکن مسیحیت اس سے بالکل مختلف ہے. خواہ راحت کی تلاش میں ایک سے دور ہو کر پہلی راحت کو بھی کھودو لیکن پھر گئی ہوئی راحت کو حاصل کرنے کے لئے تم اس سے الگ نہیں ہو سکتے.

آج یورپ میں سب سے بڑا معاشی مسئلہ جس کی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے وہاں کا بڑے سے بڑا دماغ مصروف اور پریشان ہے وہ مسئلہ نکاح اور طلاق کا ہے. وہ محسوس کر رہے ہیں کہ قومی ترقی کیلئے نکاح کی طرح طلاق بھی ضروری ہے بلکہ وہاں کی نئی پود نے تو اکتا کر چرچ سے کھلم کھلا بغاوت کر کے ایک دوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہے اور وہ طریقہ وقتی نکاح کا ہے ایک مدت کے لئے نکاح کر لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اگر اچھی طرح نبھ جاتی ہے تو پھر قائم رکھتے ہیں. ورنہ اُس رشتے کو توڑ ڈالتے ہیں.

سرسید کا اخلاص

یہی اعتراضات ہندوستان میں بھی عیسائی مشنریوں نے اسلام پر کئے تھے اور سب سے پہلے مخلص مسلمان سرسید تھے. جنہوں نے عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب دینے

کی سخت کوشش کی۔ تسکین انہیں پہنچانے کے لئے انہوں نے مذہب سے زیادہ عقل سے کام لیا۔ اور اسلام کی حقیقی تعلیم سے علیحدہ ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائی پادریوں کے اعتراضات کو مذہب طور پر لوگوں نے مان لیا اور اسلام کے احکام کی تاویلیں شروع ہو گئیں اور یہ مسئلہ مذہب بن کر رہ گیا اور اس یورپ کا جس کی روشنی میں یہ سب تاویلیں ہوئیں، حال یہ ہے کہ سب سے بڑی پیاس تعدد ازدواج اور مسئلہ طلاق کا فیصلہ کرنا ہے اور یہ فیصلہ بہترین صورت میں تمہارے پاس موجود ہے کاش کہ تم ان کے سامنے پیش کرو۔

مغرب کے سامنے کیا پیش کرنا چاہیئے

ان کے سامنے پیش کرنے کے لئے تمہیں کسی معجزے کی ضرورت نہیں ہے۔ یورپ مذہبی زنجیروں کو توڑ کر عقلی دور میں شریک ہو چکا ہے یورپ کے موجودہ دور کا معیار وہ نہیں ہے جو بدقسمتی سے ایشیا اور مشرق کے علماء نے سمجھ رکھا ہے، جب تم ان کے سامنے اسلام پیش کرو گے تو وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ معجزات ہیں یا نہیں بلکہ وہ اپنی پیاس کو بجھانے کے لئے سرد پانی اور اپنی بیماری کے لئے تریاق کی جستجو کرے گا وہ ڈھونڈے گا کہ جس چیز کی اس کو ضرورت ہے وہ ہے یا نہیں؟ اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ صرف عیسائیت کی نہیں بلکہ اس کے دامن میں ساری دنیا کی نجات ہے۔ ساری دنیا کی بیماریوں کے تریاق کا چشمہ اس کی آغوش میں بہ رہا ہے دنیا کو صلائے عام

دو۔ اور اس صورت میں کہ وہ تمہاری طرف جھک جائے۔ تمہارے پاس تو ایک گھونٹ میں اُس کی ساری بیماریوں کا علاج ہے جب تم اس صورت میں پیش کرو گے کہ وہ سمجھ سکے تو ضرور جھکے گی۔

اسلام کی تعلیم کسطرح پیش کیجائے

اب سنو یورپ کا معیار یہ ہے کہ وہ جلد از جلد سوسائٹی کے نام مسائل کو حل کرنا چاہتا ہے وہ ایسے لائحہ عمل کی تلاش میں ہے جس کے ذریعہ سے زندگی امن و صحت کے ساتھ بسر ہو سکتی ہے۔ وہ رکاوٹیں جو راہ میں حائل ہو جاتی ہیں باقی نہ رہیں تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کو پیش کر دو، لیکن اس سے پہلے اس مسئلے کو تو حاصل کرو کہ یہ تعلیم کن صورتوں میں پیش کی جائے۔ اس کے لئے قدم بڑھانا چاہیئے۔ اس میں نقصان نہیں کوئی برائی نہیں۔ اگر قرآن [illegible] کے لئے ہے اور اس لئے ہے کہ زمین پر چلنے والے اس پر عمل کریں تو اُسی حالت میں، اسی صورت میں پیش کرو کہ وہ اسے دیکھ کر اپنا لیں اور اگر اس لئے ہے کہ اس پر فرشتے عمل کریں تو تمہیں اختیار ہے۔

ناکامیوں کا علاج

سوچو اور غور کرو کہ جو چیزیں ہمیں اس راہ میں ناکام بنا دیتی ہیں وہ کیا ہیں؟ کس وجہ سے ہماری اجتماعی زندگی منتشر اور پراگندہ ہو رہی ہے؟ اور اس کا حل کیا ہے؟ اس کا حل صرف قرآن کی تعلیمات پر ہے۔ قرآن خود سوسائٹی کے معیار کی پرکھ کے لئے یہ کسوٹی بناتا ہے کہ دیکھا جائے کہ اس سوسائٹی نے اپنی اجتماعی زندگی کے مسائل کو اور راہ میں آنے والی مشکلات کا حل کسطرح کیا؟

لیکن تم نے کبھی اس پر غور بھی نہیں کیا۔ اپنی اجتماعی زندگی کے انتشار کو ختم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔

یورپ والوں کی تلاش حق یورپ کی قومیں ہیں کہ عمل کو اپنا راہبر اور عقل کو اپنی راہ کی روشنی بنا رہی ہیں اور اس کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں کہ کوئی لائحہ عمل مل جائے سب سے پہلے انہوں نے ایک نسخہ روما سے لیا لیکن وہ ناکام ثابت ہوا دوسرے دور میں انقلاب فرانس اور امریکہ کی آزادی نے انہیں جمہوریت کا پیغام سنایا۔ اس پیغام سے انہوں نے دوسرا نسخہ حاصل کیا۔ اور اس کا استعمال بھی کیا۔ لیکن نصف صدی کے اندر ہی اندر یہ بھی ناکام ثابت ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے طرح طرح کے نسخے تجویز کئے ایک نسخہ روسو کا تھا دوسرا کارل مارکس کا تھا اور اسی طرح کے بہت سے حکیموں نے نسخے تجویز کئے۔ لیکن سب کے سب ناکام رہے اور اب بھی نئے نسخے کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور مختلف نسخوں کو آزما رہے ہیں لیکن ہر ایک نسخہ غلط ثابت ہو رہا ہے۔

نسخہ تمہارے پاس ہے اور وہ نسخہ تمام صحت کے ساتھ تمہارے پاس موجود ہے۔ تم اُن کے سامنے پیش کرو وہ منظور کر لیں گے عزیزانِ من یہ غلطی نہ کھاؤ کہ مسیحی پادریوں کا مشن یورپ کا ترجمان ہے اور یورپ تمہاری چیزوں کو منظور نہیں کر سکتا ہے یورپ کے مسیحی مبلغین اپنے منتشر شیرازے کو جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ یورپ میں اپنے لئے جگہ نہ پاکر دوسرا میدان تلاش کر رہے ہیں۔

مسیحی مبلغین یورپ کے ترجمان نہیں

اب ضرورت اس کی ہے کہ مسلمان اسے خوب سمجھ لیں یہ غلطی اُن کے دماغوں میں حلول کر گئی ہے کہ یورپ کے ترجمان عیسائی مبلغین ہیں اور یورپ ان ہی کے ذریعہ سے اپنی بیماری کا علاج ڈھونڈ رہا ہے غلط ہے سوسائٹی کے مسائل کا حل جس کی تلاش میں یورپ پریشان ہے سوائے قرآن کے اور کہیں نہیں ہے اور اگر تم اس آبِ حیات کو اس کے سامنے پیش کروگے تو یورپ قبول کرلے گا وہ نسخوں کو تلاش کرتے کرتے تھک چکا ہے اُس کی پیاس اب تک نہیں بجھی اور اب وہ اس چشمے پہ جھکنے کے لئے مجبور ہو گیا ہے۔

جمہوریت کا مفہوم

جمہوریت کے معنی یہ ہیں کہ طاقت واقتدار چند افراد کے ہاتھ میں نہیں۔ افراد قوم کے ہاتھ میں ہو۔ اور مساوات کے معنی یہ ہیں کہ سب برابر ہوں لیکن لوگوں نے اپنے لئے کچھ اور ہی قانون بنالئے ہیں۔ جن کی بنیاد خود غرضیوں اور تعصبات پر ہے ایک طرف تو دنیاوی اور دوسری طرف مذہبی شہزادے پیدا ہو گئے ہیں اور لوگوں کی اجتماعی زندگی دو پتھروں کے نیچے دب کر رہ گئی ہے انقلاب فرانس اور امریکہ کی آزادی نے اس پتھر کو ہٹانا چاہا۔ لیکن ایک ہٹا تو دوسرا اس کی جگہ پر آ گیا۔

نیا نسخہ اور اس کے اثرات

لوگ گھبرا اٹھے تو ایک بالکل نیا نسخہ تجویز کیا گیا جواب روس میں سوشلزم کی صورت میں ہے۔ لیکن میں تمہیں بتا دوں یہ نسخہ بھی غلط ہے جس طرح پہلے نسخے

غلط کہتے ۔سوشلزم کو محض پہلی سرمایہ داری کا جواب سمجھو پہلے جتنی قوت کے ساتھ سرمایہ داری تھی اب اتنی ہی طاقتوں کے ساتھ اُس سے انکار ہے ضرورت اعتدال کی ہے اور اس کا نام ونشان تک نہیں اور میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ دنیا جس چیز کو ڈھونڈ رہی ہے وہ مساوات ہے اور اس کی بہترین صورتیں تمہارے پاس ہیں دنیا کی ساری پریشانیوں کا حل وہ ہے جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر رسول عربی صلعم نے پیش کیا تھا اور تیرہ سو سال سے متعصب نگاہیں اس میں سخت سے سخت نکتہ چینیاں کرتی رہی ہیں متعصب دماغ اس کی مضبوط جڑوں کو ہلانے کی کوشش کرتے رہے لیکن کیا وہ اپنی لاحاصل کوششوں میں کامیاب ہوئے یا کامیاب ہوسکتے ہیں؟ نہیں۔

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس کا ظہور عرب میں ہوا اُس کی پہلی کرنیں وہاں پھیلیں جہاں سخت ظلمت و تاریکی تھی۔ نہ حقیقت کی روشنی کہیں نظر آتی تھی اور نہ اُن کی تاریکی پسند نگاہیں اُس کو دیکھنا ہی چاہتی تھیں عرب کا ہر فرد خود کو نوشیرواں اور خسرو سے کم نہ سمجھتا تھا جماعتی گھمنڈ اتنا زیادہ تھا کہ ہر قبیلہ اپنے سوا دوسروں کو ذلیل سمجھتا تھا۔ اب تم آنکھیں کھول کر دیکھ لو علم کی روشنی میں وہی حال یورپ کا ہے یا نہیں۔

عرب کی حالت

نسلی شرف کا حال یہ تھا کہ ہر شخص اپنے قبیلہ پر اتنا زیادہ مغرور تھا کہ اگر خود دو تین چار خون بھی کر دیتا تھا تو

سمجھتا تھا کہ دوسروں کو باز پرس کا کوئی حق حاصل نہیں۔ لیکن اگر دوسرے قبیلے کا کوئی فرد اس کے قبیلے کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو اس ایک کے بدلے چار کا خون کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

اسلام کے ظہور کے اثرات

اسلام کا ظہور اسی وحشی قوم میں ہوا۔ اور تیس برس کی مختصر مدت میں سارے عرب کو کچھ کا کچھ کر دیا قرآن کے درس نے اُن کے دلوں میں رشک و حسد کی دہکتی ہوئی آگ کو محبت کی چھینٹیں دے دے کر ٹھنڈا کر دیا۔ اسلام نے اتنی کم مدت میں سب کچھ اس ملک میں کیا جہاں کے بہادر اپنے سے نیچے آدمی کے ہاتھ سے میدان جنگ میں بھی مرنا نہیں پسند کرتے تھے وہاں اجلہ سادات قریش کا سردار ایک غلام کو بنایا جاتا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی رکاب تھامے چلتے تھے اور یہ خوش نصیب غلام جس کی رکاب آقا تھامے تھے حضرت زید تھے

اسلام کی تعلیم کا ثمرہ

یہ تھا اسلام کا وہ عدیم المثال کارنامہ جو اس نے تیس برس کی مدت میں پیش کیا۔ نسلی اور شخصی غرور کا نام تک نہ رہا۔

نظریوں کا سوال نہیں بلکہ سوال اجتماعی زندگی کی مشکلات کے حل کا ہے۔ اُن حلوں کو اسلام نے زندگی کا لازمی جز بنا دیا ہے اور جمہوریت کی وہ روح جو آج سے تیرہ سو سال پہلے پھونکی گئی تھی اور وہ جوہر جو اسلام نے پیش کیا تھا آج بھی باقی ہے اس کو چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں بھی ہر روز پانچ وقت تمہاری آنکھیں یہ سب کچھ دیکھ سکتی ہیں۔ اسلام کی

چھوٹی قوت کو دیکھو، اسلام آج تیرہ سو سال سے حکومت کر رہا ہے تم میں سے ہزاروں اب بھی ایسے موجود ہیں جو اس کی تعلیمات سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں ان میں بھی جماعتی غرور کا شیوہ اختیار کرنے کی عادت پیدا ہو گئی ہے لیکن اس کی طاقتوں کے آگے سر نہیں اٹھا سکتے بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹے درجے کا آدمی پانچ وقت تو ضرور ایک ہی صف میں نظر آتا ہے۔ ہزار غرور و تمکنت کے باوجود بھی اگر وہ مسلمان ہے تو اس کو ایک ہی صف میں کھڑا ہونا ہو گا یہی ہے مساوات اور اسی کی دنیا کو اشد ضرورت ہے اسلام کا بنایا ہوا لائحہ عمل یہی ہے جو کبھی بیکار ہونے والا نہیں۔

یورپ کیا چاہتا ہے یورپ اس وقت معجزوں کو تلاش نہیں کرتا بلکہ اس کو حقیقی تلاش ایسی مساوات اور اجتماعی زندگی کے عمل کی ہے جو ان کے پاس نہیں صرف آپ کے پاس ہے آپ اس پر خود غور کریں اور دوسروں کو دعوت فکر و عمل دیں۔

اسلام پر اعتراضات کا جواب پھر ایسی بہت سی جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں جو اسلام پر بے دھڑک اعتراض کر دیتی ہیں۔ لیکن خود مسلمانوں نے جواب دے کر ان کو بہت کچھ اہمیت دیدی ہے یہ مسلمانوں کی غلطی ہے کہ وہ انہیں جواب دیتے ہیں اور یہ وزن کی غلطی مسلمان ہمیشہ کرتے آئے ہیں۔ ایسی ہی ایک جماعت جو مسلمانوں پر ہمیشہ اعتراض کرنے کی عادی ہے۔ آریوں کی ہے آج سے بہت پہلے سے اسلام پر اعتراض کر رہی ہے لیکن ہمیشہ ناکام رہی ان سے پہلے عیسائیوں کے اعتراضات سامنے

آچکے ہیں اور ان کا بہت زیادہ اور شافی جواب دیا جا چکا ہے۔ اب ان ہی اعتراضات کو نیا جامہ پہنا کر سامنے پیش کر دیتے ہیں، پھر جواب مانگتے ہیں اور مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ان میں بھی چند ایسے موجود ہیں جو اسی پر چلا اٹھتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کو ہضم کر جانا چاہتے ہیں اور اسلام کو مٹا ڈالنا چاہتے ہیں۔

ہاں اگر تمہارے نزدیک اسلام کی جڑیں ایسی ہی کمزور ہیں جو معمولی جھونکوں سے اکھڑ جائیں تو یہ ہو سکتا ہے اگر تمہارے نزدیک مسلمان ایسے ہی مجبور ہیں تو آسانی سے ہضم ہو سکتے ہیں۔ میرے عزیزو! تم نے غلط سمجھا ہے یا تم کو غلط سمجھایا جا رہا ہے میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کا حریف اگر کوئی بھی ہو سکتا ہے تو عیسائی مذہب اور عیسائی قوم دوسرا کوئی نہیں۔

ہندوستان میں آنے کے بعد ہندوستان میں آنے کے بعد مسلمانوں میں یہ عیب بھی پیدا ہو گیا ہے کہ نسلی افتخار سے بھی آگے بڑھ کر وہ اکثر جماعتوں کو اپنے سے نیچا ہی نہیں بلکہ ناپاک سمجھنے لگے ہیں۔ اسلام کسی کے جسم کو ناپاکی سے ملبوث ہوئے بغیر ناپاک نہیں سمجھتا۔

وہ جسم کی ناپاکی کو بہت کم وقعت دیتا ہے وہ تو دلوں کی ناپاکی کو ناپاکی سمجھتا ہے اور اسی کو اہمیت دیتا ہے اس لئے تمہارا فرض ہے کہ اس کی برائی کو جو تم میں دوسروں کے دیکھا دیکھی پیدا ہو گئی ہے۔ دور کرو اور بہت جلد دور کرو۔

ایک مسلمان مہتر کو تم اس لئے اپنے ساتھ بٹھانے کے لئے تیار نہیں کہ

وہ ظاہراً ناپاک کام کرتا ہے اور خستہ حال رہتا ہے خواہ وہ تہجد گذار عابد ہی کیوں نہ ہو اس کا دل ایمان کی شعاعوں سے منور ہی کیوں نہ ہو اس کے برخلاف تم ایک سفید کپڑے پہنے ہوئے آدمی کو اپنے ساتھ بٹھا کے کھلانے کے لئے بھی تیار ہو خواہ اس کی روح کتنی ہی میلی۔ اس کا دل کتنا ہی تاریک اور اس کے اعمال کتنے ہی ناپاک کیوں نہ ہو۔

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تم غلط وزن کرنے کے عادی ہو گئے ہو اور اگر تم وزن غلط کرتے ہو تو تم خود غلط ہوتے ہو جب تم خود غلط ہوئے تو تمہارا ہر قدم غلط ہوگا اور تم آنکھیں رکھتے ہو تو دیکھو کہ تمہارا ہر قدم خود اٹھ رہا ہے۔

عزیزو! اب وقت کم رہ گیا ہے اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میری صحت زیادہ دیر تک بولنے کی اجازت نہیں دیتی اس لئے اس طول بحث کو چھوڑ کر میں اپنے مقصد پر آتا ہوں یعنی یہ جلسہ تبلیغ و اشاعت کا ہے۔

تبلیغ کہاں کی جائے

اس لئے میں کہوں گا کہ پہلے سوچ تو لو کہ تمہیں کہاں تبلیغ کرنا ہے۔ اندرونی گوشوں میں یا بیرونی میدان میں اگر اندرونی تبلیغ کرنا چاہتے ہو، بہت سی برائیاں تمہاری آنکھوں کے سامنے مذہب کے دامن پر رینگتی پھر رہی ہیں ان کو دور کرو اور اگر بیرونی تبلیغ تمہارے پیش نظر ہے تو کسی اقدام سے پہلے یہ معلوم کرو کہ دنیا کیا چاہتی ہے؟ اس کو کس چیز کی پیاس ہے؟ اور تم اس کی پیاس کو کس طرح بجھا سکتے ہو؟ اور وہی چیز پہلے اس کے سامنے

پیش کرو۔ ورنہ تمہاری کوششیں لاحاصل اور بے کار ہیں۔ دنیا کا رخ دیکھو معلوم ہوگا کہ وہ اسی کو ڈھونڈھ رہی ہے جو پیغام اسلام کا ہے۔ اسلام کا پیغام نجات اور دائمی راحت ہے۔ پھر دنیا مسلسل مصائب سے گھبرا کر اسی کی تلاش میں ہے۔

نکاح اور طلاق

امریکہ کے صرف ایک صوبہ میں پچاس کلب ایسے موجود ہیں جو عقد موقت کی اشاعت کر رہے ہیں۔ یعنی لوگ مدت کے لیے نکاح کریں۔ کیونکہ اگر مسیحی قانون کے مطابق نکاح کرتے ہیں تو کبھی ختم نہیں ہوتا اور اگر دونوں کا میل نہیں ہوا تو دونوں کی زندگی مسلسل عذاب بن کر رہ جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی فطرت انسانی ہے جب تک نہیں سمجھتے کتے کرتے رہے لیکن اب سمجھ گئے کہ یہ فطرت اور انسانیت کے لیے نقصان دہ ہے تو اب اس کو ترک کر رہے ہیں اور یہی فطرت کا اقتضا تھا وہاں شادیاں چار چار اور چھ چھ مہینوں کے لئے بھی ہوتی ہیں۔ لیکن تمہارے یہاں یہ چیز جس کو اب وہ پا سکے ہیں پہلے سے موجود ہے اور عین فطرت اور اسی قسم کے دوسرے قوانین ہیں جو فطرت کے عین مطابق ہیں۔ دیکھو ایک طرف تو نکاح کی اہمیت قائم ہے اور دوسری طرف ایسے ناگفتہ بہ مصائب سے گلو خلاصی کے لئے بھی دروازہ کھلا ہے۔

آج یورپ و امریکہ معاشرتی نظام کا نقشہ اور وہ بھی نا مکمل بنا رہے ہیں حالانکہ مکمل نقشہ اسلام میں ایک زمانے سے اور کامل طور پر موجود ہے

اسلام اور سوشلزم

انقلاب فرانس نے ایک نسخہ دیا تھا۔ لیکن پہلے

کی جگہ دوسرے سرمایہ دار آگئے۔ سادات کا دور ختم ہو گیا۔ پھر بڑے بڑے عزت
حاصل کرتے رہے باقی سب ذلت میں پڑ گئے اس سے ثابت ہو گیا کہ جمہوریت
کا نسخہ بھی غلط تھا۔ آج ہندوستان میں بھی اس کے مقلد موجود ہیں اور بہت
زیادہ ہیں لیکن اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ غلامی سے ہمارے دماغ ماؤف
ہو گئے اور پھر یورپ کے سامنے جھک گئے۔

غلامی صرف ہماری قومیت پر ہی نہیں۔ بلکہ دماغ پر بھی طاری ہو گئی
ہے اور اب جمہوریت کے بدلے ہمارے سامنے سوشلزم ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ سوشلزم
اسی وقت سامنے آتا ہے جب انسان کے دل میں انتقامی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے
اور انتقامی جذبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان مجبور ہو جاتا ہے۔

اسلام سرمایہ داری کے خلاف ہے

اسلام سے زیادہ سرمایہ داری کی مخالف کوئی جماعت نہیں۔ کوئی تحریک
نہیں۔ اس کی سب سے پہلے یہ کوشش ہوتی ہے کہ گھر میں دولت جمع ہی نہ
ہو۔ یہ نہیں کہ جب دولت جمع ہو جاتی ہے تو وہ اسے بانٹنے کی کوشش
کرتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ دولت ایک گھر ایک خاندان میں ہی نہ رہے
بلکہ ہمیشہ کھنچتی اور پھیلتی رہے۔

اسلام کا ایک قانون ہے۔ وراثت' باپ کی جائداد تمام اولاد میں تقسیم
ہو جاتی ہے لیکن عیسائیوں میں بڑے بھائی کو ملتی ہے۔ بقیہ دوسروں کو
صرف زندگی گذارنے بھر۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت نسلاً بعد نسل بڑھتی جاتی
ہے اور سرمایہ داری قائم ہو جاتی ہے اور جب تک دولت کا انجماد ختم نہ ہو

جائے۔ دنیا کو تسکین نہیں ہو سکتی وہ ہمیشہ مضطرب رہے گی اسلئے اسلام چاہتا ہے کہ دولت بٹ جائے ایک جگہ جمع نہ ہو بلکہ ہمیشہ پھیلی رہے۔

اگر یہ نہ ہوتا تو فطرت کے مطابق بھی نہ ہوتا اسی لئے اسلام نے دولت کی تقسیم کی بہترین صورت پیش کی اور اس وقت جب دنیا اتنی ہی تاریکی میں تھی۔ اب اگر تم چاہتے ہو کہ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت ہو تو سب سے پہلے ان تمام باتوں کو خود سمجھو۔ ان مقدس تعلیمات پر غور کرو اُن پر پہلے خود عمل کرو پھر دوسروں کے سامنے پیش کرو کیونکہ اگر تم خود سمجھ کے پیش نہ کرو گے تو دوسرے کیا سمجھیں گے۔

اس سے زیادہ شرم کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ جو یورپ و امریکہ میں تبلیغ کا خواب دیکھ رہے ہیں اپنی ہمسایہ قوم کو اب تک نہیں سمجھا سکے۔ پھر یہ کس درجہ شرمناک ہے کہ تم سے اب تک اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے اللہ کے پیغام کو دین فطرت کی تعلیم کو دنیا کی زبانوں میں نہ سہی تو کم از کم ملک کی زبان میں اہل ملک تک پہنچا سکو۔

بتاؤ تو تم نے انگریزی میں ہندی میں، بنگالی میں، گجراتی میں، تامل یا تلگو میں پنجابی یا ملک کی اور زبانوں میں کون مستند ترجمہ ملک اور اہل ملک کے سامنے پیش کیا ہے۔

تو پھر کیا اسی پر تبلیغ کا خیال ہے؟ جب تم قرآن مجید کو غیر مسلموں تک نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ کے پیغام کو صحیح اور درست طریقے پر نہیں سمجھا سکتے تو تم کس طرح امید کر سکتے ہو کہ تبلیغ اسلام کر سکو گے۔

عزیزو! وقت بہت زیادہ ہو گیا۔ اور اب تقریر کا ختم ہونا ضروری ہے۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اب سمجھنا آپ کے لئے ہے۔

آخر میں میں یہ کہوں گا کہ جو لوگ تبلیغ دین کا جوش رکھتے ہیں وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ لیکن میں اُن سے پھر بھی کہوں گا کہ اس ابتدا کو انتہا نہ سمجھ لیں اس پہلی منزل کو منزل مقصود نہ سمجھیں ان کی کوششیں مجلسوں، محفلوں اور سالانہ جلسوں تک نہ ختم ہو جائیں، میری دعا ہے کہ اللہ پاک ان کی نیتوں کو خیر اور استقامت بخشے۔

حضرت امام الہند نے تقریر ختم فرمائی تو صدر جلسہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کھڑے ہوئے اور آپ نے باآواز بلند دعا مانگی کہ خدایا حضرت امام الہند کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھ کہ ہم ہمیشہ ایسی ہی ایمان چمکا دینے والی تقریریں سنتے رہیں جلسہ بعد دعا ختم ہو گیا۔

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سے بھی ایک اہم چیز ارکان اسلام کی بنیاد اور مقصود جسکے بغیر ارکان اسلام بیکار ہیں

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک نہایت اہم خطبۂ جمعہ

(جمعہ ۲۹ مارچ) خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا۔

ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ میں نے تمہیں یاد دلایا تھا کہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کی جماعتی زندگی کی جو پہچان قرار دی تھی وہ کون سا عمل ہے؟ نماز...... تو نماز اتنی اہم علامت ہے کہ وہ اسلام کی پہچان قرار پائی۔ جس جماعت میں پائی جائے وہ مسلمان جماعت ہے۔ جس میں نہ پائی جائے۔ معلوم ہوا کہ وہ مسلمان جماعت نہیں ہے۔ اسی طرح شریعت کے جتنے اعمال و ارکان ہیں اپنی اپنی جگہ فضیلت رکھتے ہیں اور سچے مسلمان کی پہچان اور علامت کا کام دیتے ہیں....

لیکن آج میں چاہتا ہوں کہ چند کلمے ایسے بھی بتاؤں جو نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، سب سے زیادہ اہم ہے بلکہ شریعت کے جتنے احکام و اوامر ہیں ان سب سے زیادہ اہم ہے کیوں؟ اس لئے کہ جڑ ہے۔ ارکان شریعت تو شاخیں ہیں پھل ہیں پتے ہیں، مگر جڑ نہیں ہے، جڑ کیا ہے؟ یہ ہے جس پر میں اب توجہ دلاؤں گا اگر یہ نہیں ہے تو وہ عمل بےکار، عبث و لایعنی ہو جاتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ بدقسمتی سے ظاہر...... ارکان اسلام پر کسی کا عامل ہو جانا ہی، مفتیان دین کی بارگاہ سے اس کے مومن و متقی ہونے کی سند دلادیا کرتا ہے۔ حالانکہ یہ وہ گمراہی ہے جس میں اکثر و بیشتر گم اور حقیقت سے دور ہو گئے ہیں۔

شریعت کے جتنے احکام و اعمال ہیں ان

احکام و اعمال کے مقاصد اور وسائل

کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے ..... "مقاصد اور وسائل" ہیں۔ مقصد ہی فی نفسہٖ مطلوب ہوتا ہے جس کے بغیر نہ اعمال، اعمال رہتے ہیں، نہ ارکان، ارکان، ہر عمل شریعت جو شارع نے تجویز کیا اس کی غرض و غایت کیا تھی، اس میں کیا لم اور کیا راز تھا؟ یاد رکھو کہ ہر عمل کے ماتحت ایک مقصد تھا اور اہم مقصد، ایسا مقصد جو انسانیت کی روح اور تخلیق آدم کا سبب تھا، رشد و ہدایت کا سبب تھا اور بعثت انبیاء کا سبب..... اس مقصد کو جب ڈھونڈھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ تمہیں وہ چیز مل نہیں سکتی، جب تک کچھ اور کام نہ کرو اور اسی کا نام ہے، وسیلہ..... اور یہ وسیلہ بھی اسی لئے ضروری ہوا کہ اس کے بغیر مقصد نہیں ملتا، مثلاً تمہارے پاس وقت کی حکومت کے چلے ہوئے نوٹ ہوں گے، یہ نوٹ کیا ہے؟ دیکھنے میں تو یہ چھدام کا بھی کاغذ نہیں ہے لیکن اس میں لکھا ہوتا ہے ایک ہزار روپیہ، یہ ایک ہزار روپیہ تم تسلیم کر لیتے ہو اور تسلیم اس لئے کر لیتے ہو کہ حکومت ضمانت دیتی ہے اور چونکہ تم نے اور بازار نے حکومت کی ساکھ اور ضمانت کا اعتبار کر لیا ہے اور اس کا سکہ تمہارے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس لئے اس کی قیمت کے ایک ہزار ہونے میں تم کوئی چون و چرا نہیں کرتے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں اور تم کو بھی یقین ہے کہ اگر حکومت ایک منٹ کے لئے بھی اپنی ضمانت نوٹوں پر سے اٹھالے تو وہ کاغذ کا ایک ردی پرزہ ہے اور بس اگر یہی پرزہ کاغذ تمہاری ایک ہزار روپیہ کی مالیت کی ضروریات کی مطلب

برآری کی دستاویز ہے اور وسیلہ ہے تمہاری حاجت روائی کا نیز زندگی کی معیشت کے لئے تم کو جو بہت سی چیزیں چاہئیں اُن کے لئے گویہ کاغذ مقصود تو نہ تھا مگر مقصد کا وسیلہ ہو گیا اور چونکہ مقصد کا وسیلہ ہو گیا ہے لہٰذا اسے لوہے کی الماریوں مستحکم ترین اور محفوظ ترین تہ خانوں اور گھر کی کوٹھڑیوں میں عمیق ترین جگہوں میں پوشیدہ کر کے رکھتے ہو۔ کیونکہ یہ کاغذ چھدام کا نہیں ایک ہزار کا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے اتنے اہتمام اور پوشیدہ ترین جگہوں کی تلاش و جستجو میں تم مصروف ہو۔

اعمال شریعت وسائل ہیں مقصود نہیں

اب تم خود اندازہ کرو کہ کیا اعمال شریعت کے مقاصد نہ ہوں گے اور وہ صرف عملوں ہی پر منحصر و موقوف رہے گا۔ درآں حالیکہ ایک ردی کاغذ کا پرزہ اپنے اندر اہمیت و مقاصد رکھتا ہے۔ یاد رکھو کہ اعمال شریعت مقاصد میں داخل نہیں ہیں۔ وسائل میں داخل ہیں اور مقصد حاصل نہیں ہوتا جب تک وسائل نہ ہوں۔ اللہ کے کلام نے بتایا ہے.... صاحب وحی نے بتادیا ہے صحابہ کی زندگیوں سے واضح ہے کاش تمہاری آنکھوں میں بصارت کے ساتھ دلوں کی آنکھوں میں بھی روشنی ہوتی ...... اللہ کا کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل کا نتیجہ و مقصد کیا ہے۔ مثلاً وہ بتاتا ہے کہ نماز سے کیا ملتا ہے؟ جو فرض قرار دی گئی ہے۔ یہ ملتا ہے تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ یعنی اگر نماز اپنے شرائط کے ساتھ تم نے قائم کرلی تو وہ تم میں ایسی روح پیدا کر دیگی کہ فحشاء اور منکرات کی لعنتیں تم میں سے دور ہو جائیں گی جاہلیت عرب کے شعراء

وادبار کے استاد کے حوالے سے فرمایا کہ فحشاء ہر قسم کی برائی کا نام ہے نہ کہ مخصوص برائیوں کا نام جیسا کہ فلسفی دماغ کے اکثر مفسرین و واضعین فقہ، و شارحین مسائل نے پر پیچ دفاتر لکھ ڈالے ہیں۔ اسی طرح "منکر" ہر قسم کی بری بات چھوٹی ہو، خواہ بڑی، کم ہو، خواہ زیادہ، عمل سے ہو، خواہ ارادہ سے نہ شرط ہے نہ خصوصیت، کہ یہی منشائے قرآن و فرمودۂ رسول ہے۔ لہذا لہذا نماز پر جس جماعت نے عمل درآمد شروع کیا دیکھیں گے کہ اس میں نماز کی فضیلت پیدا ہوئی کہ نہیں۔ ہاتھ کو دیکھیں گے، پاؤں کو دیکھیں گے زبان کو دیکھیں گے اور اگر بن پڑا تو دل بھی چیر کر دیکھیں گے، نماز کے بعد نہیں یہ دیکھنا ہوگا کہ۔۔۔ پاؤں اب بھی برائیوں کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ زبان غیبت میں ہنوز مصروف ہے۔ ہاتھ اب بھی ظلم و عدوان کے لئے ویسا ہی اٹھتا ہے بیوی کے لئے اچھا شوہر نہیں ہے بیٹے کے لئے شفیق باپ نہیں ہے۔ بھائی کے لئے مہربان بھائی نہیں ہے۔ ہمسایہ کے لئے ہمدرد ہمسایہ نہیں ہے تو ہم دمنبر کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا) ہم اس جگہ سے اعلان کرسکتے ہیں کہ وہ نماز، نماز ہی نہیں ہے دھوکا ہے فریب ہے اگرچہ دلوں کا حال علام الغیوب بہتر جانتا ہے پس وہ کاغذ جو دسیلہ تھا ایک ہزار کا، وہ ایک ہزار کا دسیلہ نہ رہا بلکہ ردی کاغذ کا ایک پرزہ ہو کر رہ گیا۔

"کتب علیکم الصیام لعلکم تتقون"

اللہ کے رسول کا ایک فیصلہ

کیا روزہ بھوک اور پیاس کا نام ہے؟ نہیں! تو پھر کیا شب کے آخری حصہ میں اچھی اچھی غذاؤں سے معدہ کو بھر لینے اور سارا دن خوشبودار ڈکار لیتے رہنے

کا نام ہے اگر یہ بھی نہیں تو پھر تقویٰ کیا ہے؟

اللہ کے رسول کا فیصلہ موجود ہے۔ فرمایا کتنے ہی روزہ دار ہیں۔ جن کو ان کے روزوں سے بھوک اور پیاس "جوع والعطش" کے سوا کچھ نہیں ملتا نہ اُن کو کوئی روحانی برکت حاصل ہوگی نہ آخرت میں کوئی ثواب ملے گا.....

ورنہ اس روزے کے بے شمار فضائل ہیں۔ مگر حاصل کیسے ہوں۔ بھئی جب پھر کتی سچائی کی کوئی چبھن جب باقی ہوئی، صداقت اور خلوص کا، رجاء الٰہی کا رجاع خداوندی کا اگر کوئی جذبہ دل میں پنہاں ہوتا اور جب یہ صفات معدوم ہیں تو اعمال شرعی کا نتیجہ بھی معلوم "افراد" نہیں بلکہ جماعت اگر برکات وفیوض سے محروم ہے تو پھر شکایت کیوں..... معلوم ہوا کہ یا تو لوگ ارکان اسلام کو ترک کئے ہوئے ہیں یا کرتے ہیں تو رسم اور ریت کے طور پر۔ آج یہی حال مسلمانوں کا بھی ہے۔ نماز پڑھتے ہیں کیوں پڑھتے ہیں؟ رسم ورواج ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ روزہ رکھتے ہیں۔ کیوں رکھتے ہیں۔ ریت اور چلن ایسا ہی دیکھتے ہیں پس جو چیز اہم تھی اور جس کے اثرات وثمرات، فیوض وبرکات، مہتم بالشان تھے، جب وہ رسم ورواج ریت اور چلن کے دائرہ میں محدود ہوگیا تو پھر کیسی برکت، کہاں کا انعام، نحن نفتی بالظواهر ہم تو ظاہر پر فتویٰ دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کہتا ہے ویل للمطففین۔

پس معلوم ہوگیا کہ روزہ، نماز، زکوٰۃ اور حج اعمال وارکان اسلام وسائل ہیں۔ بلکہ لازمی وسائل، مگر مقصد نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ ہر کاغذ ہزار کا نہیں ہے وہی ہے جس میں حکومت کی مہر اور اس کی گارنٹی ہو، اور

جس کو تم چھپا چھپا کر جلیبوں میں رکھتے ہو، محفوظ کر کے تالوں میں رکھتے ہو۔ تمھاری الماریوں میں رکھتے ہو اور پھر بھی رکھو گے پس عام اس سے کہ معاملہ افراد کا ہو یا جماعت کا، مسلم جماعت وفرد وہی ہے جس کو قرآن و رسول کے مفہوم میں سند حاصل ہو اور اسلامی اعمال وارکان جو کچھ مقاصد رکھتے ہیں اپنے عملوں سے تم نے انہیں حاصل کر لیا ہو۔ مسجد کے باہر نکلتے ہی کسی مسلمان کی تم نے غیبت کی تو نماز فعل عبث، بیوی کے ساتھ بدسلوکی کی تو وہ چیز نہیں جس کو اللہ نے الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر کہا ہے کچھ اور چیز ہو تو ہو۔

چراغ کی مثال دیتے ہوئے حضرت امام نے فرمایا کہ نماز اگر تم کو برائیوں سے نہیں روکتی تو سمجھ لیکہ نماز نے تمہارے دل کی زمین میں صلاحیت ہی نہ پائی کہ اس میں روشنی پیدا کرتی اور دل کی زمین میں صلاحیت اس لئے نہیں کہ تمہاری منزل زندگی برباد ہے۔ تم میں جتھ بندی اونچ نیچ چھوت چھات جھوٹی فخاری اور اسی قسم وقبیل کے ہزارہا عیوب اور دل کی بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمہارا ہر عمل، حقیقت سے خالی اخلاص سے دور اور بلحاظ نتائج ومقاصد فعل عبث ہو کر رہ جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک معیار اخلاق

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو ایک گورنر کی تلاش ہوئی کسی شخص نے ایک آدمی کا نام پیش کر کے کہا کہ اس سے بہتر آدمی گورنری کے لئے نہیں مل سکتا، آپ نے دریافت کیا کیسے؟ جواب دیا میں نے اسکو ہمیشہ نماز وروزہ میں سرگرم پایا ہے۔ آپ نے دریافت کیا، کیا کبھی سفر میں تمہارا

اس کا سابقہ ہوا ہے۔ جواب دیا نہیں۔ دریافت کیا۔ لین دین میں، جواب تھا۔ نہیں اچھا پھر سلوک کے بارے میں کیا کہتے ہو، جو لوگوں کے ساتھ اس کا ہے جواب ملا "اس معاملہ میں بھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا، فرمایا، تو پھر کیسے کہتے ہو کہ گورنری کے لئے وہ بہتر اور موزوں شخص ہے۔ غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ انسانی خوبیوں کی جانچ کے لئے بہترین معیار ہے آدمی کے اپنے اعمال وخصائل اور خصائص کی صحیح جانچ انہیں تین نتوں میں ہو سکتی ہے۔ سفر کے عالم میں وہ اپنے آپ کو بہت کچھ لئے دئے رہتا ہے پھر بھی اس کے خصائل ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لین دین میں اس کے اعمال دنیت کی سچی جانچ پوشیدہ ہوتی ہے۔ باہم سلوک و رواداری اس کی طبیعی خصائص کا مظاہرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتی، صرف نماز پڑھنے سے کوئی شخص متقی، مومن نہیں ہو جاتا، چہ جائیکہ گورنری جیسی ذمہ داری کی خدمت اس کو سپرد کردی جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ہی کا قول ہے۔ غرنی جلوسی فی المساجد دھوکہ کھا گیا۔ میں مسجد میں بہت بیٹھنے سے اصل وغایت دل کی نیکی اور نفس کی پاکی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اس کا کیا حال ہے اگر وہ چیز پیدا نہ ہوئی تو یہ سارے اعمال فعل عبث سے زیادہ نہیں لیکن اگر اعمال شرعیت کی بجاآوری سے تم میں دل کی نیکی نفس کی پاکی اخلاق اور چال چلن کی درستی پیدا ہو گئی ہے تو سمجھو کہ تمہاری نماز وہی نماز ہے جس کے قائم کرنے کا قرآن میں حکم ہے یہ ساری چیزیں سانچے ہیں۔ جن میں ڈھل کر تمہاری روح پاک وصاف ہو گئی ہے اور تم

خصائص اسلامی کے حامل و مالک ہو گئے ممکن ہے کہ ایک شخص نماز پڑھے اور غیبت سے اُس کی زبان آلودہ ہو۔

پس خوب غور کر کے اس راز کو جو اگرچہ راز نہ تھا۔ مگر قرآن سے اعراض حدیث سے انکار، صحابہ کی زندگیوں کے مطالعہ سے غفلت کی بدولت تمہارا لئے اب راز ہو گیا ہے خوب سمجھ لو کہ شریعت مطہرہ کے جتنے اعمال وارکان ہیں وہ کچھ خاص خوبی ہم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں اور انہیں خوبیوں کے حصول و مجموعہ سے تم صفات بشریت اور خصائص واوصاف انسانیت سے متصف ہو کر اخلاق کا اعلیٰ نمونہ بن سکتے ہو اور وہ اپنے اندر وہ خاص شان و دلکشی رکھتے ہیں جو اغیار کو کھینچکر اسلام کے قدموں میں لایا کرتی تھی، ہزار حیف کہ تم نے جس دن سے اپنے اندر سے انسانیت واخلاق کے یہ اوصاف خارج کئے، سرمستیوں اور اوہام پرستیوں میں مبتلا ہوئے اسی دن سے تم پر ذلت بلا، ابتلا، گلو نداری اور غلامی و محکومی مسلط کر دی ہے کاش تم اب چونکتے، غفلت کی چادر منہ پر سے ہٹا کر دیکھتے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور تم کس حال میں محو خواب ہو۔

اجتماعی زندگی کی عمارت کی خشتِ اولیں

احتساب نفس اصلاح خانہ اور منزلی زندگی کی راحت

مسلمان عورتوں کے ارتداد کے اسباب اور انکے انسداد کی تدابیر

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا تازہ خطبۂ جمعہ

خطبہ کے مسنونہ کلمات تلاوت فرمانے کے بعد فرمایا۔

برادرانِ عزیز!

تم میں سے اکثر اس بات سے بے خبر ہوں گے کہ بہت سے خدا کے بندے ایسے ہیں جو اپنے معاملات میرے سامنے پیش کرتے ہیں اور اخلاص و محبت کی بنا پر مشورہ کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح پر بے شمار مختلف اور متضاد قسم کے معاملات اور اسلامیان ہند کی اُفتادِ زندگی کے واقعات جو میرے علم میں آتے ہیں وہ بہت کم لوگوں کے سامنے آتے ہوں گے اور اسی علم و تجربہ کی بنا پر، نیز صحیح طور پر طول و عرض ہند کے ہر مسلمان کے حالات کا یکسانیت پر قیاس و اطلاق کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکال لینا میرے لئے کچھ مشکل نہیں کہ مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی دونوں قسم کی زندگی اتنی برباد، اتنی مخدوش، اتنی ظلم و حیوانیت سے لبریز ہے اور جن امراض میں گھری ہوئی ہے وہ اس درجہ مایوس کن ہیں کہ صرف یہی نہیں کہ مستقبل قریب میں اُن کے سنبھلنے کی امید نہیں بلکہ یہ اُن کے برباد

وغارت ہو جانے کی ویسی ہی توقع ہے جیسے یہ امید کہ صبح کا آفتاب اپنے ساتھ روشنی ونور یقیناً لائے گا۔

منزلی زندگی کی تعریف

لوگوں کے معاملات ومقدمات ان کی داستان غم انگیز، اُن کی روداد عبرت خیز سن سنکر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شاید ہی مسلمانوں کا کوئی گھرانا ہو جو اس ظلم وجور کا شکار نہ ہو ورنہ سو فی صدی اسی مہلک مرض میں گرفتار ہیں کہ ان کی منزلی زندگی برباد ہے تم سمجھے کہ منزلی زندگی کیا ہے؟ تم جو کہتے ہو کہ ہمارا گھر، تو بتاؤ کہ تمہارے نزدیک گھر کا کیا مطلب ہے! کیا یہ مطلب سمجھتے ہو کہ کچی پکی اینٹوں کو چنکر ایک چاردیواری قائم کردی؟ یا پتھر اور لوہے کی ایک سربفلک عمارت کھڑی کردی یا لکڑی کے ستونوں اور پتوں اور خس وخاشاک سے ایک احاطہ گھیر لیا اور وہ گھر ہو گیا! مگر تم اچھی طرح سمجھ لو کہ ان تمیروں اور گذاروں کی تدبیروں سے گھر نہیں بنا کرتا، گھر تو نام ہے ملی جلی خاندانی زندگی کا، اسی کو کہتے ہیں منزلی زندگی، اسی منزلی زندگی کے قیام پر قرآن نے زور دیا ہے۔ اسی منزلی زندگی کے احیاء ترویج اور پابندی پر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اشارہ فرمایا ہے اسی منزلی زندگی کے لئے جس کی خوبیاں جس کے فوائد اور جس کی اہمیت کو دنیا نے اور بالخصوص خطۂ عرب نے پس پشت ڈال دیا تھا رحمت الٰہی ورافت خداوندی جوش میں آئی اور ایک پیکر رحمت ومجسمۂ رافت وبالمومنین رؤف الرحیم

جس پر تمہارے شیرازے کا انتشار شاق اور تمہاری انفرادی و اجتماعی اصلاح اور سود و بہبود کی حرص غالب تھی۔ تم میں آیا اور تمہیں انسانیت کے درس دئے تمہاری انفرادی، اجتماعی، معاشرتی، تمدنی، دینی و دنیوی زندگی کے سود و زیاں کے اصول بتائے اور اپنے عمل و اسوہ کا نمونہ دکھایا اور اسی منزلی زندگی کو تمہاری دنیاوی و دینی ترقی کا حکمت خداوندی نے سبب و بنیاد بنا دیا ہے مگر صد ہزار افسوس کہ تم نے جس طرح اور ہزاروں روگ اپنے جسم و روح میں پیدا کر لئے ہیں۔ تمہاری اس خاندانی زندگی میں بھی ہزاروں ہزار بیماریاں لگ گئی ہیں۔

تم میں کتنا ہی دنیا کی شان و شوکت پیدا ہو جائے تم ذاتی طور پر کتنے ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو جاؤ تمہارے سامنے جبر و حکومت کے اقراری سجدے کتنے ہی کیوں نہ ہوتے رہیں لیکن اگر تمہاری خاندانی و منزلی زندگی تیرہ و مکدر ہے تو انفرادی ہو خواہ اجتماعی، تمہاری ساری شان و شوکت اور نام و نمود بے کار ہے اور تم ہرگز فلاح یافتہ فرد یا قوم نہیں کہے جا سکتے،

منزلی زندگی کے حقیقی تصور کا سانچہ

:- بلحاظ اعمال و باعتبار افعال ہر شخص ایک خاص سانچے میں ڈھل کر اپنا اپنا آئینہ اخلاق و کمال پیش کرتا ہے تو کوئی سانچہ ایسا بھی تو ہونا چاہئے کہ اس سے خاندانی زندگی کا جائزہ لیا جا سکے اور اجتماعی زندگی پر کہی جا سکے تو اس امتحان و آزمائش کے لئے نیز شریعت نے ہمیں مسلمان کی اجتماعی زندگی کی جانچ پرتال کے لئے منزلی

زندگی کا ایک سانچہ اور معیار بنا دیا ہے جس سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس کے گھر کی زندگی کا کیا حال ہے اور جب ہم اس معیار کو لے کر کسی گھر کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو تم جانتے ہو کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے افسوس کہ مسلمان اس امتحان میں سب سے زیادہ ناکام و برباد پائے جاتے ہیں۔ اُن کی گھریلو زندگی آج جتنی ناشاد و نامراد ہے اُن کی گھریلو زندگی آج جسقدر محتاج اصلاح ہے اُن کی گھریلو زندگی آج جتنی قابل ماتم ہے اتنی کبھی کسی زمانہ میں نہ تھی۔ گھریلو زندگی کے فرائض سے جس درجہ آج یہ قوم غافل ہے گھریلو، زندگی کے فوائد سے جس درجہ آج یہ قوم ناآشنا و محروم ہے اُس پر جتنا افسوس کیا جائے اُن کی بدبختی پر جتنا ماتم کیا جائے بجا ہے۔

عبد و اِلٰہ کے حقوق کی تقسیم اور تم حقوق اللہ، حقوق اللہ یعنی اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے لئے اُسی کی ٹھیرائی ہوئی حد بندیوں کے اندر چند اعتقادات کچھ اعمال اور بعض پابندیاں تھیں لیکن اس معاملہ میں تم کہاں پہنچ گئے ہو تم میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس سے ناواقف ہو کہ اللہ کی ذات جو مالک تھی، قادر تھی، خالق تھی، اس کو ایک عضو معطل اور بت بے جان قرار دے رکھا ہے۔ انسانی ڈھانچوں اور خود ساختہ آثار پر اپنے جہل اور وہم پرستیوں کی وجہ سے ارباب من دون اللہ اور خدا جانے کیا کیا مسجود و معبود بنا کر صریح شرک میں اور فسق و فجور میں مبتلا ہو کر

رہ گئے ہو۔ جادۂ حقیقت سے دور اور گمراہیوں اور قبیحات میں پھنس کر روح اسلام کھو بیٹھے ہو یہ ہے وہ حال جو اللہ کے حقوق کے بارے میں تم نے بنا رکھا ہے۔

حقوق عباد:۔ تعلیم نبوی، اعمال صحابہ، اور بلاغت قرآنی کے مطالعہ سے جس کو دیکھنے اور سننے کی تمہیں مہلت نہیں ملتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی نعمت ان احکام اور احکام کی تعمیل میں پوشیدہ تھی اور جس میں سے ایک اور خاص بلکہ خاص الخاص گھریلو زندگی تھی وہی تم نے برباد کر دی ہے اور اب گھریلو زندگی کے لئے جہاں کہیں اور جس مسلمان کے گھر میں تفحص اور تلاش کی جائے وہ معدوم ہوگی۔ گویا وہ چیز جو یکسر خیر و برکت اور قرآن کی بولی میں رحمت تھی اس سے آج مسلمان کا گھر تقریباً خالی ہے۔ یعنی تمہارا کوئی گوشۂ زندگی اتنا گندہ و تاریک نہیں ہے جتنا گھریلو زندگی کا گوشہ گندہ و تاریک ہے قرآن نے جہاں ہر چیز کے پرکھنے کی کسوٹی بنائی ہے وہاں اسلامی خاندانی زندگی کی جانچ کے لئے بھی کسوٹی بنا دی ہے اس کے پیش نظر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے گھر کی چھت کے نیچے قرآن کی ان احکام کی پابندی کا کیا حال ہے؟

ایک آیت کی لطیف شرح

باپ کے ذمہ فرائض ہیں اولاد کے شوہر کے ذمہ فرائض ہیں بیوی کے، بیوی کے ذمہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے شوہر کے حقوق ہیں۔ بیوی کو چاہیئے کہ وہ انہیں بجا لائے اور شوہر پہ فرض ہے کہ بیوی جو ہر طرف سے منہ موڑ کر اور دنیا جہان کے تعلقات سے دست بردار ہو کر شوہر کی چاردیواری میں اسی کی ہو کر رہ گئی ہے

اس کی رضا جوئی کو مقدم رکھے اور حق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے تاکہ پاک اور سعید زندگی پیدا ہو، بلاغت قرآن نے اس چیز کو لتسکنوا الیھا کے جامع الفاظ سے ظاہر کیا ہے یعنی پاک اور سعید زندگی کی ایسی شان وشوکت کہ ہر وصف صفت کی قلبی تسکین و روحانی دلبستگی زوجین محسوس کریں اور اس کے لطف و برکات سے دونوں لذت اندوز ہوں۔ لیکن تمہاری زندگی میں جو چیز یکسر عنقا ہے اور تمہاری زندگی جن صعوبات اور سوانح سے لبریز ہے وہ ہر قسم کی ذلت، نکبت اور معصومیت ونگوسار ی ہے۔ کاش تم کبھی اپنی اس حالت پر غور کرنے کے لئے ایک لمحہ بھی اپنے پر معصیت اوقات حیات سے نکال سکتے۔

حقوق عباد میں سے گھریلو زندگی کی برکات اور سکینۃ قلب کا پہلا انعام قرآنی بول چال میں تو وہ تھا جو تم نے ابھی سنا۔ اس کے علاوہ بھی دو انعام الٰہی دو عطائے خداوندی اور بھی ہیں یعنی جعل بینکم مودۃ ورحمۃ اس زندگی کی بنیاد اور اس کا انعام مودّۃ ورحمۃ ہے اب گویا تین انعام ہوئے۔

(۱) سکون، راحت اور چین، جب تم گھر میں قدم رکھو تو کوئی ایسا ہو جو تمہاری راہ میں آنکھوں کا فرش بچھاتا ہوا تمہاری تسکین دل ودماغ اور راحت جسم وروح کا سبب ہو۔ جس کی ذات سے اللہ کا منشاء پورا ہوتا ہو کہ لتسکنوا الیھا (۲)، مودت، دوستی، باہمی ارتباط ومحبت (۳) رحمت اعجاز قرآن ہے کہ اللہ نے رحمت کو بھی جو اس کی خاص الخاص ملکیت تھی۔ تمہارے خصائل حسنہ وخصائص نیک میں سے ایک قرار دے دیا۔

انتہائے محبت کا نام رحمت ہے

رحمت کیا ہے؟ رحمت و مودت میں فرق کیا ہے؟ مودت تو باہمی ربط کا نسبت تھی جو اپنی انتہا میں محبت ہو گئی اور رحمت یہ ہے کہ محبت نے اتنی ترقی کی۔ کہ جب وہ اپنی آخری حد تک پہنچی تو رحمت نام پایا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے ساتھ یہی رشتۂ محبت تھا جو کبھی بالمومنین رؤف الرحیم کا لقب پایا کبھی وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین سے یاد کیا گیا۔ پس رحمت کیا ہوئی۔ انتہائی ہمدردی، رحم، عفو، بخشش، درگذر، چشم پوشی وغیرہ۔

پس قرآن کے مقرر کردہ معیار کے مطابق کیا تمہاری منزلی یا خاندانی زندگی میں یہ تین چیزیں سکون، مودت اور رحمت پائی جاتی ہے کیا تمہاری منزلی زندگی کی یہ شان ہے کہ جب تم گھر کی چاردیواری میں قدم رکھو تو راحت و چین نہیں گھیر لے مگر میں جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے اور ہرگز ایسا نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ تم اپنے گھروں سے نکلتے وقت ایک بے قرار ہستی ایک مضطرب دل، ایک بے چین اور بے جان انسانی ڈھانچہ چھوڑ کر جاتے ہو تو پھر تم کیونکر امید رکھ سکتے ہو کہ گھر کی چاردیواری میں قدم رکھتے ہی سکون و مودت و رحمت تمہارا خیر مقدم کرے گی۔

مردوں کے بجائے فتنوں کے دروازے کھول دیئے

قرآن کی عدالت میں، اخلاق کی عدالت میں انسانیت کی عدالت میں تمام بیقراریوں، بے چینیوں اور بالفاظ صحیح برکتوں اور سعادتوں کے چھن جانے کا

سبب شوہروں کا بیویوں پر ظلم ہے۔ یہ چیز بلاشبہ عام تھی لیکن بعثت نبوی سے قبل، مگر قرآن نے آکے بتلایا کہ شوہر اور بیوی میں باعتبار حقوق کوئی فرق نہیں ہے۔ معصیت ہے اگر بیوی شوہر کا حق ادا نہ کرے اور ظلم و معصیت ہے اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا کرنے میں غفلت و بے پروائی اور بے نیازی برتے، غور کیا؟ اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حدود سے تجاوز کے جرم کا ارتکاب ہوگا اگر اپنے گھروں کی چار دیواری میں بیوی بنا کر تم نے جس کو بند کر رکھا ہے اُس کے اُن حقوق کا پاس و لحاظ نہ کرو جو قرآن نے اُسے بخشے ہیں۔

افسوس کہ آج مسلمانوں کی معیشت اور ان کی گھریلو زندگی کا بالکل یہی حال ہے، سبب یہ ہے کہ منزلی زندگی کا سانچہ ہی بگڑ گیا ہے اور جب اخلاق و عادات کا سانچہ کسی فرد و جماعت کا ٹیڑھا ہو جاتا ہے تو اس سے جتنی شکلیں بنتی ہیں سب ٹیڑھی ہوتی ہیں چنانچہ آج مسلمان کیا باعتبار فرد اور کیا باعتبار جماعت اس درجہ پست و ذلیل حالت میں اسی لیے ہے کہ وہ کتاب و سنت سے دور جا پڑا ہے۔ جھوٹی فخاری اور ڈینگ میں مبتلا اوہام پرستیوں اور اپنی گڑھی ہوئی جماعت بندیوں میں گرفتار ہے نیز اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا سانچہ بھی ٹیڑھا ہو چکا ہے۔ ناصح کی نصیحت اور ہمدردمندوں کے مشورے کے لئے صلاحیت قبول سے بھی عاجز و تہیدست ہو چکا ہے۔

یاد رکھو اگر تم بیوی کا حق ادا نہیں کرتے تو تمہاری	بیوی کے حقوق ادا کرو ورنہ نماز و روزہ بیکار ہے

نماز تمہارا روزہ سب بے کار ہیں۔ سن لو۔ اگر تم بیوی کا حق ادا نہیں کرتے تو تمہاری خیر و خیرات بھی ہرگز قبول نہیں۔ پہلے اُن کا حق ادا کرو۔ پھر دین کے دوسرے فرائض کو پورا کرو۔ تمہاری غذا اور تمہارے لباس میں یکسانیت ہونی چاہیے اگر ایسا نہیں کر سکتے تو قرآن کی بولی میں تم شدید معصیت کے مرتکب ہوتے ہو۔ یا تو انہیں ٹھیک طور پر بیوی بنا کر رکھو یا طلاق دے کر ان کا راستہ کھول دو۔ سرحوھن سراحا جمیلا۔ ایسا مت کرو کہ بیچ میں روک لو ولا تمسکوھن ان کو مضرت نہ پہنچاؤ۔ نیز اشد شدید معصیت و ظلم ہوگا کہ انہیں ادھر میں لٹکائے رکھو نہ اُن کی خبر گیری کرو نہ ان کو اجازت و طلاق دو کہ اپنے سود و صلاح کا اور کوئی انتظام کریں۔ کالمعلقہ قرآنی الفاظ ہیں یعنی اُن کو لٹکائے رکھنا نہ خود چھوڑنا نہ انہیں آزاد کرنا حالانکہ جب بھی اور جہاں کہیں ایسا ہو بیوی کو حق ہے کہ تفریق کا مطالبہ کرے۔ شریعت نے ہرگز اس حق سے انہیں محروم نہیں کیا۔ اگرچہ ظالم شوہروں نے اس حق و انصاف کا دروازہ اُن پر بند کر رکھا ہے۔ بیویاں تمہارے نزدیک تو لونڈیاں ہیں ہاں نزول قرآن سے پہلے لونڈیاں ہی تھیں۔ لونڈیاں ہی نہیں جائداد منقولہ۔ مگر قرآن ہی تھا جس نے اس انسانیت سوز ظلم کا استیصال کیا۔ اور دونوں کو برابری کا درجہ دیا۔

مظلوم بیویوں کی امداد کی ذمہ داری مردوں پر ہے تم نے تو سمجھ لیا ہے کہ مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ عیاشیاں کرے اور گھر کی ملکہ و مالکہ پر مظالم کرے مگر صبر و ضبط

تاکہ نتیجہ یہ ہوا کہ تمہاری بداعمالیوں اور بدسلوکیوں سے تنگ آ کر انہوں نے آغوشِ دین سے نکلنا اور مرتد و عیسائی ہونا شروع کر دیا، غور کرو، تمہارے ظلم و شرارت نے دین کو کتنا زبردست صدمہ اور کتنا ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا کیا کبھی سوچا؟ مگر سوچنے کی زحمت نفس پرستی دیتی ہی کب ہے؟ کبھی سوچا کہ تمہاری ان گمراہیوں نے ابتک کتنی عفت و عصمت کی بودیوں کو تمہارے ظلم و جور کے خلاف احتجاج کے باعث آغوشِ دین سے چھین کر آغوشِ کفر و عیسائیت میں دیدیا ہے جو اسی موقع کی تاک میں ہر جگہ جال پھیلائے بیٹھا ہے۔ پس اُن معصوم و مظلوم بندگانِ الٰہی کی حمایت اور تمہارے ظلم و ستم کی پاداش میں تم پر جتنے بھی گوناگوں عذاب الٰہی نازل ہوں اور جتنی بھی ذلتوں اور نکبتوں کا تمہیں شکار ہونا پڑے کم ہے۔

ظالم مردوں کے ظلم کی خداوندی پاداش

پنجاب و دہلی کے تازہ واقعات ارتداد کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا

مجھے غصہ آتا ہے اُن وحشی و ظالم شوہروں پر جو اُن غیور، غریب اور بے زبان و شریف بیویوں کو اس درجہ مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ غیر اخلاقی و غیر اسلامی افعال پر اتر آئیں شرم و حیا نام و ناموس کو طاق پر رکھیں اور ظالم شوہروں سے مخلصی و نجات پانے کے لیے ارتداد جیسے گناہ عظیم کا ارتکاب کریں اور تمہاری بداعمالیوں کی طویل فہرست میں تمہارے ایک ایسے ناقابلِ عفو اور فوری گرفت کے قابل ظلم اور بربریت کا اضافہ ہو۔ ظالمو! کیا آسمان سے تمہیں کو دل دیا گیا ہے اور آنکھ کہ قدم قدم پر بجھتے پھریں اور وہ دل

اور خواہشات نفس سے محروم خلق ہوئی ہیں اگر ایسا سمجھتے ہو تو سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ کیا تمہاری آنکھوں سے بصارت بھی جاتی رہی۔ اگر دل کی بصیرت سے محروم ہو چکے ہو۔ بدنصیبو تمہاری موجودہ ذلت، ادرماں، ناکامی و نامرادی تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ تمہاری ہی بے دردی اور ظلم کا خمیازہ ہے جو تم دن رات یار و اغیار کے ساتھ کرتے رہتے ہو۔ کہ نہ تمہاری زبان سے آج اپنے محفوظ ہیں نہ ہاتھ سے بیگانے مصئون، اور حیرانی اس بات پر ہے۔ ماتم اس کا ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود اس درجہ بادان بن جاتے ہو گویا کچھ کیا ہی نہیں آہ کہ احساس معصیت و تمیز جرائم کی قوت ہی سلب ہو گئی ہے پھر شکوہ یہ کہ اللہ نے خیر و برکت ہی اٹھالی ہے اور اپنے انعام و برکات سے محروم کر دیا ہے۔ نعمت کے دروازے بند کر دئے ہیں۔ حالانکہ اللہ فرماتا ہے وما انا بظلام العبید اللہ اپنے بندوں کے لئے ظالم نہیں ہے۔ نیز دوسری جگہ اس کے انعام کا صاف صاف سبب فرما دیا ہے۔ بما کسبت ایدی الناس یہ عذاب تو تمہاری ہی بداعمالیوں کے پاداش میں ہے۔ کاش قرآن میں تدبر کرنے کی توفیق تمہیں ہوتی جو تمہارے فلاح و صلاح اور سود و بہبود کا ضامن اور دستور العمل تھا۔

ایک وکیل کی اختراع اور علماء کی غفلت

چنانچہ دہلی کے ایک مسلمان وکیل نے یہ طریقہ یعنی ارتداد تقریباً پندرہ سال ہوتے ہیں کہ ایجاد کیا اور یہ حیلہ اور نسخہ تراشا کہ ایسی خواتین کے لئے یہ ایک موثر تدبیر بہدف علاج ہے۔ مگر افسوس کہ اس کے نتائج و عواقب پر نہ غور کیا نہ ان نتائج کی اصلاح کی کوئی تجویز سوچی اور نہ سبب و علت پر کسی کی نظر

گئی کہ اگر علت دور ہو جائے تو علاج خود بخود ہو گیا اور مریض نے ٹھوکر تو کھائی مگر سنبھالا لیکر تندرست ہو گیا۔

اس معاملۂ اہم میں علمائے ملت کی مجرمانہ غفلت بھی کچھ کم رنج و ملال کا سبب نہیں۔ عوام تو عوام کالانعام ہی ٹھہرے۔ ان کو بھی میں نے کتنی مرتبہ توجہ دلائی، چونکا دیا۔ مگر ایک دو انگڑائیوں کے بعد پھر جیوں کے تیوں ہو گئے بعض جگہ اگر کچھ اصلاح کار کی طرف قدم اٹھایا بھی گیا تو بغیر اثر و ناتمام طریق پر نتیجہ جو ہونا چاہیئے ہو رہا ہے۔

دیکھو! کیا تم آرام کی زندگی اپنی ان عورتوں کے ساتھ بسر کر رہے ہو نہیں ہرگز نہیں، وہ گھر جس کو جنت کا ایک ٹکڑا کہا گیا ہے کیا وہ تمہارا گھر ہے نہیں اور ہرگز نہیں۔ ایسا گھر تو وہ ہے جس میں سکون ہو، پراگندگی نہ ہو، مودت ہو۔ انتشار و اشکراہ نہ ہو، رحمت ہو لعنت و زحمت نہ ہو اور یہ چیز وہیں ملے گی جہاں لوگ ایک دوسرے کے حق کا پاس کرتے ہوں گے۔ جہاں دوسرے کے حق کا ضیاع و اتلاف ہوگا، وہاں خیر و برکت کی محرومی اور ذلت و نامرادی کے سوا اور ہو کیا سکتا ہے۔ خاندانی زندگی جہاں اور جس گھر کی خراب ہوگی نہ اولاد کی تربیت ہوگی نہ امن ہوگا نہ سکون ہوگا نہ مودت ہوگی نہ خیر و برکت بہر حال اسلامی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے وہ زندگی نہ ہوگی بلکہ ایک لعنت ہوگی، مستقل لعنت، دوامی لعنت۔

یاد رکھو تمہاری بہتری بھی تب ہی ممکن ہے جب تمہاری عورتیں تم سے خوش ہوں، وہ بہتر، چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ کا فرمان ہے۔ خیرکم

خیرکم لاھلہ۔ اور خیارکم خیارکم لنساءکم، تم میں اچھا وہی ہے جو اپنے اہل و عورت کی نظر میں بھی اچھا ہے اور اسے تم سے کوئی شکایت نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے اعراض

وقت ہو اور تمہاری نظریں وہاں تک پہنچ سکیں تو خود نظر کرو صاف معلوم ہوگا کہ طاقت بشری کا جہاں تک تعلق ہے۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ پاک میں یہ سب کچھ دکھا دیا ہے اور اس عہد سعادت یا مابعد کے حالات و زمانہ میں جو ایک طرف سچی آزادی کا زمانہ اور دوسری طرف تکمیل شرافت و شریعت کا زمانہ تھا۔ کہیں بھی اس حیوانیت و ظلم کا نام و نشان نہ تھا۔ مگر تم اے بدبختو! تم نے ہی اغیار و کفار کی سفاکانہ عادات بھی سیکھیں، نہ صرف سیکھیں بلکہ یہ تمہاری سرشت و فطرت میں طبیعت ثانی بن کر داخل ہو گئیں اور تمہارے رگ و پے میں جاری و ساری اور تم، تم گھریلو زندگی پاک و صاف اور ستھری زندگی سکون، مودت اور رحمت کی زندگی اور اس کی برکات سے محروم ہو گئے، منصف و عادل حقیقی کا دست انتقام اٹھا اور تم سے تمام برکاتِ اسلامیہ چھین لیا گیا۔

تعدادِ ازدواج کی شرطیں

بلاشبہ اسلام نے اجازت دی ہے کہ اگر حالات ایسے ہی آپڑیں کہ تمہیں دوسری بیویوں کی ضرورت ہو تو تم ایسا کر سکتے ہو لیکن اس شرط و قید کے ساتھ کہ ہر بیوی کے ساتھ عدالت قائم رکھو۔ عدالت کا لفظ سن کر چونکو نہیں عدالت ہی کی شرط پر تم کو اجازت عقد ثانی مل سکتی ہے۔ کھانے پینے میں بھی

انصاف وعدالت پہننے اوڑھنے میں بھی عدالت اور تعلقات زناشوئی میں بھی انصاف وعدالت اگر آپ نہیں کرسکتی تو پھر لازم ہے، لازم نہیں فرض اور فرض بھی ایسا کہ بلا اس فرض کی تعمیل وتکمیل کے دیگر فرائض بھی کالعدم کہ پہلے طلاق دے کر ان کو حسن وسلوک کے ساتھ رخصت کردو، پھر عقد ثانی کرو۔ یاد رکھو کہ عقد ثانی کہہ رہا ہوں۔ خوب غور سے سن لو کہ عقد ثانی کہہ رہا ہوں۔ عیاشی وحرام کاری کی اجازت نہیں دے رہا۔ جس کی شریعت نے سخت ممانعت کی ہے۔ بلکہ سختی اس چیز کے روکنے میں ہوتی ہے۔ کسی دوسرے مسئلہ شرعیہ میں نہیں ہوتی۔

پس تم کو لازم ہے کہ اپنی اولین فرصت میں اپنی زندگی کا جائزہ لو اور دیکھو کہ تمہاری منزلی زندگی کا کیا حال ہے؟ آیا وہ قرآن کے احکام کے عین مطابق ہے یا وہ تباہ ہو رہی ہے۔ تم کو اگر اللہ احتساب کی توفیق دے تو تم میں سے جو شخص چاہے کہ وہ اپنی زندگیوں کا احتساب کرے آیا وہ سب کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کر رہا ہے یا نہیں، پوری سچائی سے اس پر عامل ہے یا نہیں خوب اچھی طرح سن لو۔ یہ حق حقوق اللہ میں سے نہیں ہے اللہ کو اپنے حق کے بارے میں اختیار ہے۔ باز پرس کرے یا بخش دے۔ یہ بندوں کے حقوق ہیں اور اسے خدا بھی نہ بخشے گا جب تک بندے نہ بخشیں لہٰذا ڈرو اس بات سے کہ بندوں، خصوصاً اپنی بیوی کے حق کو ظالمانہ طریق سے تلف کرو اور باز آؤ اس جسارت وشرارت سے کہ ان مظلوموں کو اتنا مجبور کرو کہ وہ ارتداد پر اتر آئیں اور تمہارے پنجۂ ظلم سے نجات پانے کی

اس کے سوا اور کوئی راہ انہیں نظر نہ آئے۔

میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اور اس منبر پر کھڑے ہو کر اسکی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے یقین دلاتا ہوں کہ منزلی زندگی کی خوبی ہی تعمیر ملت اور مسلمان کی قومی و اجتماعی زندگی کے قصر رفیع کی خشت اولیں ہے لہذا گھر کی زندگی میں ان برکتوں اور سعادتوں کو تلاش کرو جو تمہیں قرآن نے دی تھیں۔

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

اعجازِ خطابت کا فقید المثال نمونہ

خزینۃ العلم وعرفان، ترجمان القرآن حضرت علامہ آزاد کا خطبۂ عید الضحیٰ
اجتماعیت کے برکات، نماز کے فوائد، زکوٰۃ کے نتائج پر بصیرت افروز روشنی

کھوئے ہوئے وقار چھینی ہوئی دولت کی واپسی کا واحد علاج

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا:۔

انجمن تبلیغ الاسلام کلکتہ، یقیناً شکریہ کی مستحق ہے کہ اس کی مساعی مفید سے مفید تر ہوتی جارہی ہے اس میدان میں پہلا میری آواز ایک محدود حلقہ تک پہنچی تھی، پچھلے چند سالوں سے انجمن کی مساعی اور سائنس کی ایک مفید ایجاد کی امداد سے پورے میدان میں پہنچنے لگی، لیکن اس مرتبہ جبیا کہ مجھے یقین دلایا گیا ہے میری آواز ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ رہی ہے اتنا ہی نہیں بلکہ مجھے اس بات کا بھی یقین دلایا گیا ہے کہ ہمالیہ کی چوٹی سمندر کی موج اور ریگستان عرب کے بگولے بھی میری آواز کو روک نہیں رہے ہیں اور میری آواز مشرق و مغرب کے محلوں اور وادیوں سے ٹکرا رہی ہے۔ ہونے کو تو یہ سب کچھ ہے اور جو کچھ ہے سزاوار تحسین و تعریف، بمبئی کلکتہ سے بارہ سو میل کے فاصلہ پر ہے پشاور کلکتہ سے پندرہ سو میل دور ہے وہاں بھی میری آواز پہنچ رہی ہے لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تمہارے کانوں سے تمہارے دلوں کی دنیا کتنی دور ہے جہاں میری آواز نہیں پہنچتی! تمہارے

کانوں کے پردہ سے ٹکرا کر رہ جاتی ہے اور دل کوئی اثر کوئی سبق اور کوئی عبرت قبول نہیں کرتا۔ تمہارے دلوں کی اس بے اثری اور عدم صلاحیت، اس دنیا کی ویرانی کا یہ عالم کیوں؟ اس دروازے پر غفلت کے بھاری قفل کس لئے؟ اقرار و انکار کا سبب کیا ہے؟ اب ورق کہ سیاد گشتہ دعا اجابت میرے مخاطب تو تمہارے دل تھے تمہارے کان نہیں، وہ تو صرف ذریعہ تھا دلوں تک بات پہنچانے کا، مگر میں جانتا ہوں کہ اعراض و غفلت اور انکار پیہم نے اب اس قابل ہی نہ رکھا کہ تمہارے دلوں کو مخاطب کیا جائے اس لئے میں دل کا نام نہیں لیتا اور تمہارے کانوں سے خطاب کرتا ہوں۔

۱۹۰۶ء میں والد مرحوم کی موجودگی میں سب سے پہلے اسی مقام سے اسی ممبر پر کھڑے ہو کر میری ایک ہی آواز جو حقیقت کی آواز ہے بلند ہوتی آئی ہے اور آج ۳۶ء میں جبکہ پورے تیس برس کا قرن گذر چکا ہے۔ باستثناء درمیان کے چند سالوں کے جبکہ وقت کے رحم اور ملک کے نازک صورت حال نے مجھے کلکتہ سے جبراً دور و معذور رکھا۔ میں اسی حقیقت کا اعادہ کرتا رہا ہوں اور تمہیں توجہ دلاتا رہا ہوں۔ لیکن تم نے اب تک میری ایک بات نہ سنی یہی وجہ ہے کہ آج میں تمہارے بے حس دل کو نہیں تمہارے کانوں تک اپنی آواز، وہی حقیقت کی آواز پہنچاتا ہوں کیونکہ تم نے اپنے دلوں پر غفلتوں کے اتنے پردے ڈال لئے ہیں، امتیاز و عرفان کے اس مرکز پر اتنے قفل چڑھا لئے ہیں کہ اس دل کو وہی دل جسے آج تم عید کے پر تکلف کپڑوں میں چھپائے بیٹھے ہو مخاطب نہیں کر سکتا۔

جانتا ہوں کہ تم نے ہمیشہ میری بات ٹھکرائی ہے۔ صبح شباب کی بات نہ سنی اگرچہ حقیقت تھی اچھا! جوانی کی دوپہر کی نصیحت پر کان نہ لگایا جو سراسر صداقت تھی اچھا! تو کیا اب شام زندگی کی بات بھی نہ مانو گے؟ ...... نہ مانو نہ سنو تم میری بات سے انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ میری بات سے انکار، حقیقت سے انکار ہے اور تم حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے، تم نے میری بات سے انکار کر کے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، حقیقت سے انکار کر کے کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا میں جو کہتا ہوں سراسر حقیقت ہے تم نے میری بات سے انکار کر کے اپنی اجتماعی عزت کو صدمہ پہنچایا، حقیقت سے انکار کر کے کوئی شخص عزت حاصل نہیں کر سکتا۔ سن رکھو کہ حقیقت میرے ساتھ ہے حقیقت میری آواز ہے اور وہ کسی طرح ٹھکرائی جا نہیں سکتی۔

جس حقیقت کو ایک مدت سے میں تمہارے سامنے رکھتا آیا ہوں آج پھر اسی حقیقت کو تمہارے کانوں تک پہنچاتا ہوں۔ دل کا نام میں اس لئے نہیں لیتا کہ اس سے کام لینے کی تمہیں ضد ہے جو مخزن انوار تھا اب وہ نفس پرستیوں اور نفسانی اعتراض کا تمہارا دفینہ ہے لیکن کیا اتنے بڑے انسانی ہجوم میں پانچ دل بھی ایسے نہیں جن میں کچھ صلاحیت باقی ہو اور وہ اس حقیقت کو قبول کر سکیں؟ میں پورے تیس برس کے غور و فکر کے بعد کہ اس طویل زمانہ کا کوئی سورج، اس کی کوئی شام ایسی نہیں گذری کہ میرے غور و فکر سے خالی گئی ہو، اور میں نے پوری توجہ، چھان بین اور دلسوزی کے ساتھ غور و فکر نہ کیا ہو، اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کی اجتماعی صلاح و

فلاح بجز اس کے کسی دوسری معاملت پر موقوف نہیں ہے جو قرآن کے ہر صفحے پر لکھا ہوا تم دیکھو گے یعنی اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ .... اور یہی دو مسائل ایسے مسئلے ہیں جن کو تم نے سب سے زیادہ غفلت کے حوالے کر دیا ہے قرآن حکیم نے اس مسئلے پر سب سے زیادہ تاکید کی، مگر آج دونوں مسائل کو تم نے سب سے زیادہ پس پشت ڈال دیا ہے سب سے زیادہ غفلت اور وہ غفلت جو انکار تو نہیں لیکن قریب انکار ضرور ہے اسی غفلت کی نذر کر دیا ہے حالانکہ کفر و اسلام کے امتیاز کے سلسلے میں بھی اسی نماز و زکوٰۃ کو معیار قرار دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین۔ اگر وہ اپنی پہلی بداعمالیوں سے باز آجائیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ کی پابندی کا اقرار کریں تو وہ بھی تمہاری برادری میں شامل کیے جا سکتے ہیں معلوم ہوا کہ شرط اسلام، انحصار و مدار اسلام انکے عملی کے ساتھ ساتھ مشروط ہے قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ پر ...... غور کرو گے تو خود سمجھو گے کہ اسلامی اعمال و احکام قطعاً اجتماعیت کے حامل ہیں۔ اسلام اپنے حلقہ بگوش افراد سے، خود انہی کے مفاد کے لیے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کا ہر عمل اجتماعی ہو، اس لئے فرض قرار دیا گیا کہ نماز ہر مسلمان باستثناء حالت مجبوری ہمیشہ جماعت کے ساتھ ادا کرے، اگر مشاغل معاش و ذرائع روزی مخل ہوں تو لازم ہے کہ کم سے کم ایک وقت کی نماز بجماعت کے ساتھ ادا کرے۔

زکوٰۃ:۔ اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں بھی حکم ہے مسلمان کی زکوٰۃ بھی اجتماعی صورت سے حاصل و تقسیم کی جائے، کچھ پرواہ نہیں اگر پورے شہر

کی تنظیم نہیں ہو سکتی اور آج میں اس غلط فہمی کی بھی تردید کر دوں، جو بعض حلقوں میں ظاہر کی جا رہی ہیں کہ اس کے لئے امارت کی شرط ہے ..... امارت کی قطعاً کوئی شرط نہیں۔ الا یہ کہ وہ ایک اولیٰ صورت ہے لیکن اگر امارت، حالات کے تقاضا یا ماحول کے اثر سے بعید الامکان یا نا ممکن ہے تو اس چیز کو جائز یا ناجائز بہانہ بنا کر اللہ کے ایک واضح، صریح اور تاکیدی حکم و اسلام کے ایک اہم فریضہ و دین کے ایک رکن میں لیت و لعل، حیل و حجت الیقیناً سخت قابل مواخذہ لائق سخت وعید، جو لوگ فرداً فرداً زکوٰۃ اپنے طور پر ادا کرتے ہیں، میں پہلے بتا چکا ہوں کہ درست نہیں ہے آج ایک قدم اور آگے بڑھتا ہوں، اور اس ممبر پر سے پوری ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ صرف یہی نہیں کہ ایسی زکوٰۃ جو انفرادی طور پر ادا کی گئی ہے۔ درست نہیں ہے بلکہ صحیح اور واضح یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ہی نہیں ہے ..... ایسی رقم کو کوئی دوسرا نام دیا جا سکتا ہے، جو چاہو رکھ لو، مگر زکوٰۃ کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

پس جب تک تم بحیثیت مسلمان اجتماعی طور پر، قرآن کے حکم اور منشائے فطرت کے ماتحت اپنے اعمال خصوصاً نماز و زکوٰۃ کو تنظیم کے ساتھ ادا نہیں کرتے تم سے وہ تمام دینی برکات اور وعدے جن کی تم کو تلاش ہے ہمیشہ تم سے دور رہیں گی۔ اور جس دن تم نے اجتماعی شکل اور اعمال میں اجتماعی حسن نظام پیدا کر لیا یقین کرو کہ چھینی ہوئی تمام دولت تم کو سونپ دی جائے گی میں تم کو آج پھر تاکید کر رہا ہوں کہ اپنے اعمال میں اجتماعیت کی صورت پیدا کرو، اٹھو! اور ہر قصبہ اور ہر محلے میں کم سے کم پانچ آدمیوں کی ایک کمیٹی

بنالو، چار بھی نہیں، صرف پانچ، جو زکوٰۃ کی تحصیل و تنظیم کرے، اور اسے پوری ذمہ داری اور باقاعدگی کے ساتھ صرف کرے۔ تم دیکھو گے کہ بہت جلد پورا محلہ بلکہ پورا شہر تمہاری کمیٹی کا ممبر بن جائے گا۔ اور یہ ایک نمونہ ہوگا۔ جس کی تقلید کرکے خیر و برکت کے متلاشی اپنی حادثوں اور گمشدہ متاع دولت و عزت ڈھونڈیں گے۔ کیا تم میں ایسے پانچ دل بھی نہیں جو میری بات گوش دل سن سکیں۔

یاد رکھو! محض فکری وسائل سے تم اپنے کھوئے ہوئے وقار اور دولت کو حاصل نہیں کر سکتے۔ بنیادی چیز جس کو تم نے اپنی غفلتوں اور گمراہیوں کی نذر کر دیا ہے یعنی عمل اور عمل اجتماعی، جب تک اس پر استوار اور مضبوطی کے ساتھ قائم نہیں ہوتے تم کو اس وقت تک کھویا ہوا وقار اور چھینی ہوئی دولت واپس نہیں مل سکتی۔ فکری وسائل کو محض دماغ کے اندرونی حصہ کا رنگ و روغن سمجھو۔ یہ باہر کا رنگ و روغن نہیں ہے۔ باہر کی دیواریں جب ہی رنگین ہوں گی جب عمل کا رنگ و روغن ابھر آئے اور عمل میں جب ہی رنگ و روغن پیدا ہوگا جب جڑ اور بنیاد مضبوط رکھو گے۔ تم کسی درخت کو ہرا بھرا، سبز و شاداب رکھنے کے لیے شاخوں اور پتوں پر پانی ڈالو گے تو درخت ہرگز سرسبز نہ ہوگا۔ البتہ اگر تم جڑ میں پانی دو گے اس کو ہرا رکھو گے تو تمام درخت سبز، شاداب اور بارآور رہے گا۔ لہٰذا اگر تم اپنے کھوئے ہوئے وقار اور چھینی ہوئی دولت کی واپسی کے کھوج میں ہو۔ اگر تم موجودہ پستی سے دوبارہ بام رفعت پر پہنچنا چاہتے ہو تو جڑ، بنیاد، اور اصل کی

شادابی کی فکر کرو، یعنی اپنی نمازوں پر استوار ہوجاؤ اور اجتماعی شکل میں زکواۃ کی تنظیم و تقسیم پر عامل اکہ یہی دونوں عمل اصل اور بنیاد ہیں اور انہی پر قائم و عامل ہونے پر کھوئی ہوئی دولت کی واپسی کا مدار و انحصار ھذا وان احسن الکلام کلام اللّٰہ الملک العلام فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ واولئک ھم المفلحون۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا خطبۂ عیدِ صیام

خطابت وکلام کے امام اعظم کا سحر آفریں خطاب

بے پناہ اجتماع میں نورِ عرفاں کا سیلاب عظیم

متحدہ قومیت کا بے خطا نسخہ اکسیر دورِ حاضرہ کی مصائب کا واحد علاج

الحمد للہ الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظہرہٗ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ط لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ط وان کانو من قبل لفی ضلال مبین ط

اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ ط

اس وقت میدان کے اجتماع میں آتے ہوئے میرے خیالات میں جو جنبش ہوئی ہے اس نے مجھے دوسرے عالم میں پہنچا دیا ہے ممکن ہے کہ چند منٹ آج میں تمہارے زیادہ لوں۔ مجھے امید ہے کہ تم اس کے لئے مضطرب نہیں ہوگے اور اس کے لئے تمہیں اتنا تعجب نہیں ہوگا۔ سکون خاطر اور توجہ کے ساتھ آج میری بات سنو۔

آج میں تمہارے سامنے عربی کے دو لفظ کی تشریح کروں گا۔ دو لفظ یعنی تاسیس اور تجدید۔ تاسیس اساس سے ہے اور یقیناً تم اب اس

لفظ سے بے خبر نہیں ہا دئیے ۔ پھر بھی میں روزمرہ کی زبان میں اس لفظ کا ترجمہ
بتا دوں ۔ اساس ، بنیاد اور تاسیس بنیاد رکھنے کو کہتے ہیں اور دوسرا لفظ
تجدید اس کے معنی ہیں کہ پہلے سے کوئی چیز موجود تھی لیکن کسی خرابی یا غفلت
کی وجہ سے وہ محتاج مرمت ہو گئی ہے اب کوئی نئی بنیاد نہیں رکھ رہے
ہیں بنیاد ہے چیز کا وجود ہے لیکن دیکھ بھال نہ کرنے کی وجہ سے لائق توجہ تھی
تو ۔ اس کی درستی کر کے اس میں تازگی پیدا کر دی ۔ بحالی پیدا کر دی بس
تمہاری بول چال میں جو چیز درستگی و مرمت ہے اسی کو عربی میں تجدید کہتے
ہیں اور کسی چیز کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا نام تاسیس ہے ۔

نادر مثال

میں اپنے مقصد سے تمہیں نزدیک کرنے کے لئے ایک مثال دیتا
ہوں ایک مکان ہے مکان ۔ گھر یہی گھر جس میں تم رہتے
ہو ۔ فرض کرو کہ اب تک گھر بنا نہیں ہے اچھا ہے ہو گا تعمیر کرو ۔ اچھا اب تم
نے زمین منتخب کر کے نقشہ کے مطابق بنیاد تیار کی اور مکان تعمیر و تیار کر لیا
بس یہی تعمیر اور یہی تیاری تاسیس کہلائے گی ۔ اچھا اب تجدید کیا ہوئی تجدید
یہ ہوئی کہ جب تک مکین آباد رہے اور دیکھ بھال اور مرمت کی طرف سے
غفلت نہ برتی ۔ مکان کی زیب و زینت ، تازگی ، خوشنمائی میں فرق نہ آیا
لیکن ایک وقت ایسا آیا ۔ کہ زمانہ کی رنگینیوں میں پڑ کر تم نے مرمت کی
طرف سے غفلت برتی ۔ مکان مرمت کا محتاج ہو گیا مرمت کر دی گئی تو
گئی ہوئی رونق پھر واپس آ گئی ۔

فخر اسلام ،۔ دوستو ! میں نے اس مکان کی مثال دی جو اینٹ

چونے سے بنایا جاتا ہے تاکہ تم سمجھ لو کہ تاسیس کیا ہے اور تجدید کیا ورنہ میرا مقصد اس مکان کی تاسیس اور تجدید کا ہے۔ جس کا نام اسلام ہے عالم کون و فساد میں تم دن رات دیکھتے ہو۔ سربفلک عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ ڈھائی جاتی ہیں کہیں کوئی چیز بن رہی ہے کہیں کوئی چیز بگڑ رہی ہے اور یہی حال تقریباً زندگی مذہب کے ہر گوشہ کا ہے، یا بن رہا ہے۔ سنور رہا ہے یا بگڑ رہا ہے اور منتشر ہو رہا ہے دنیا میں اور جتنی عمارتیں بنتی ہیں غریب کا جھونپڑا ہو یا بادشاہ کا قلعہ سب اسی اینٹ چونے سے تعمیر ہوئے ہیں یا ہوتے ہیں لیکن میں جس عمارت کا تذکرہ کرتا ہوں وہ اینٹ چونے نہیں انسانی دلوں سے تیار کی گئی ہے گوشت اور خون سے تعمیر ہوئی ہے اسی کا نام اسلام ہے۔

تم نے کبھی غور کیا۔ اس عمارت یعنی اسلام کا کیا حال ہے؟ میں بہت تھوڑے وقت میں کہ تعمیر مطلب کے لئے جس سے کم وقت ہو ہی نہیں سکتا اس بے مثل و بے مثال عمارت کا حال تم کو بتا دوں گا۔ یہ عمارت نئی نہیں اب تعمیر نہیں ہو رہی، تعمیر ہو چکی ہے قرنہا قرن گذر گئے بن چکی ہے قدیمی ہے، مٹ نہیں گئی۔ موجود ہے موجود رہے گی۔ لیکن اس کے وارثین و نوائب کی غفلتوں اور لاپرواہیوں کی وجہ سے مرمت کی محتاج ہو گئی ہے اور اسی عمارت کی یہ اینٹیں ہیں جو اس وقت میرے چاروں طرف بکھری پڑی ہیں۔ اس عمارت کے قیام اس کی درستی اس کے تحفظ اور اس کے بقا کے لئے تاسیس کی ضرورت نہیں

تجدید کی ضرورت ہے نہیں نہیں عمارت موجود ہے خرابی آگئی ہے وہ اگر دور کر دی جائے تو اس کی شان پھر دوبالا ہو سکتی ہے۔ حالت نکھر سکتی ہے۔ سنور سکتی ہے ہاں البتہ زمانے کے ساتھ حالت بدل جاتی ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کھڑکیاں نیچی ہیں بلند کر دیجئے۔ روشندان تبدیل کر دئے جائیں احساس مضبوط ہے بنیاد مستحکم ہے۔ ضروریات کے مطابق چند معمولی ترمیم و تزئین کے بعد اسے ضروریات زمانہ کے قابل بنا دیا جائے۔

تلاش نسخہ اضطراب اقوام عالم، آج کسی ایسے حل کی تلاش میں حیران و سراسیمہ ہیں جو ان کی معاشی گتھیوں کو سلجھا سکے اسکیمیں بنتی ہیں اور بگڑ جاتی ہیں۔ تجویزیں پاس ہوتی ہیں اور فیل ہوتی ہیں تعمیر اور تخریب کا سلسلہ جاری ہے لیکن بایں ہمہ بڑے بڑے دماغ، دن رات ایک اور خواب و خور حرام کئے ہوئے ہیں، مگر صحیح تعبیر نہیں پاتے سب کے سامنے آج جو سوال درپیش ہے وہ گو تعمیر ہی کا ہے تخریب کا نہیں سبھی امن کا ہے کوشش اضطراب نہیں، فکر و اصلاح ہے، تلاش فساد نہیں۔ سکون راحت کی خواہش ہے مگر اصلی گر اور حقیقی نسخے سے چونکہ گریز ہے لہذا ایک بھی حاصل نہیں اور جس کے پاس یہ نسخہ اکسیر ہے وہ استعمال سے جی چرا رہا ہے۔

دو عملی اور فکر و عمل قوموں کی زندگی میں دو عملی کا زمانہ نہایت تاریک زمانہ ہوتا ہے اس کوشش میں قوموں نے یا تو افراط کی راہ اختیار کی ہے یا تفریط کی اور یہ دونوں راہیں غلط

ہیں۔ فکر و عمل کی طرح زندگی کی راہ تو میانہ روی میں ہے اس کے علاوہ دوسری جتنی بھی راہیں ہیں غلط ہیں تباہی و بربادی کی راہیں ہیں۔

کس کی ضرورت ہے

پس اگر تجدد کی زندگی میں بڑھے، غلطی کی گمراہی میں پڑے، اقدامت پرستی کی راہ اختیار کی زمانہ نے پاؤں تھام لئے، چلنا محال ہو گیا۔ یہ روش بھی غلط ہے ایک انجینئر کی ایک معمار کی ایک ایسے زمانہ شناس کی جو ایک نظر میں بھانپ لے۔ کہ مکان میں کہاں کہاں مرمت کی ضرورت ہے کہاں کہاں تجدید کی ضرورت ہے کس در اور کس دیوار کی تبدیلی کرنی چاہیے۔ کس کو اپنی جگہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔

دوستو! یہ حقیقت واضح ہو گئی، وہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں عقلی زندگی کی رفتار کا جہاں تک تعلق ہے افراد و جماعت کی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے ایک حقیقت ہے بشرطیکہ آنکھ کے پپوٹوں کو کوئی سی نہ لے۔ ہر شخص اس حقیقت کو دیکھ سکتا ہے ہر ناظر کی نگاہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ عمارت بہترین ہے برترین ہے، بنیاد مضبوط اساس ناقابل تبدیل، لیکن ضرورت ہے مرمت کی درستگی کی آرائش کی نئے ساز و انداز کے ساتھ سجاوٹ کی۔ تاریخ کا اٹل فیصلہ بھی یہی ہے کہ اصلح و وافق جماعت اس سے زیادہ کوئی نہیں، موجودہ زمانہ کی ضرورت کا جہاں تک تعلق ہے ہر جماعت پیچھے نہیں دیکھتی آگے دیکھتی ہے ان سب کے لئے ریفارم کیا ہے جو بھی ہے جتنا بھی ہے ناقابل اطمینان

خود انہیں بھی اس پر اعتماد بھروسہ نہیں۔ مگر اسلام کی تعلیم کا جہاں تک تعلق ہے اس کی کشش و دل آویزی کا جہاں تک تعلق ہے اس کے نظم و ضبط کا جہاں تک تعلق ہے بلاشبہ اتنا عالمگیر ہے کہ یہی نہیں کہ زمانہ اس کا ساتھ دے بلکہ یہ کہ اگر مسلمان مسلمان ہو جائیں تو زمانہ اس کا استقبال کرے گا۔

تاثرات تعلیم اسلام

دوسروں کی تعلیم و قوانین ملک و اخلاق اور اسلام کے تعلیم و قوانین کا یہ فرق اتنا نمایاں فرق ہے کہ میں جب اس پر غور کرتا ہوں تو بعض اوقات خود مجھ پر جنون سا طاری ہو جاتا ہے۔ میں حیران رہ جاتا ہوں کہ یہ حقیقت سب پر کیوں منکشف نہیں ہو جاتی۔ اسلامی قوانین کو تم ایک طرف رکھو اور انسانی ضروریات کے ہر گوشہ کو دوسری طرف پھر دیکھو اس کی معاشی و معاشرتی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے اس کی تمدنی و مذہبی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے اس تعلیم نے تمام و کمال طور پر ہر گوشہ کو دیکھا اور جزوی و کلی طور پر علاج تجویز کیا ہے بس ضرورت ہے استعمال و پرہیز کی مرمت کی، تجدید کی، نہ کہ تعمیر و تاسیس کی۔ کسی نئے راستہ کی ضرورت نہیں اسلام کا راستہ صاف اور بے خطر ہے، ہاں ضرورت ہے ان کانٹوں اور روڑوں کے صاف کر دینے کی جس سے اجنبی کھٹک رہے ہیں اور اس منزل تک پہنچنے کے لئے دوسری راہوں میں کھٹک رہے ہیں۔

قدامت اب باقی نہیں رہ سکتی لیکن تجددیں غلو مفید نہیں مضر ہوگا۔ آج اسی نسخہ کے استعمال کی ضرورت ہے جو تیرہ سو سال پہلے ایک ہادی وحکیم نے تجویز کیا تھا میں زیادہ تفصیلات میں اس وقت نہیں جانا چاہتا خطبہ کا وقت قلیل ہوتا ہے لیکن جن دوررس نگاہوں نے اس تعلیم کو سمجھا ہے اور جس وقت سمجھا اور عمل پیرا ہوئے سعادت قدم لینے کو بڑھی معلوم ہوا کہ ہمیں آج کسی تائید کی ضرورت نہیں، نہ ضرورت ہے نئی بناوٹ کی بلکہ وقت اس بناوٹ کے سنوارنے کا ہے وقت کی اصلاحی کیفیت کا اصلاح صورت کا۔ آج اگر مسلمان صرف اتنا کریں کہ جا دارہ عمل اصلاح کا موجود ہے اس کی اصلاح کریں تو ان کی بلیشمار ضروریات کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے یہاں پہنچکر میں پھر اسی نقطہ پر آجاتا ہوں جس کی طرف گذشتہ دو تین سال سے تمہیں توجہ دلا رہا ہوں اور جس حقیقت کی طرف بارہا اشارہ کرچکا ہوں، یعنی تنظیم زکوٰۃ۔ قیام بیت المال۔

اعدو الہم ما استطعتم مسلمانو! بحیثیت قوم کے تم اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو تم پر فرض ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے اندر اتنی قوت پیدا کرو کہ تمہارا اجتماعی نظام درست ہوجائے اور اگر چاہتے ہو کہ اپنی زندگی میں اتنی قوت دیکھ سکو جتنی اس دنیا میں ایک جماعتی زندگی کے لئے ضروری ہے تو اپنے منتشر شیرازہ کو فوراً اسمیٹ لو تمہارے مکان کی بنیاد و اساس مضبوط ہے اس کی مرمت کی ضرورت ہے، مرمت کرو اور جلد مرمت کرو تاکہ گذری ہوئی رونق اب آپ واپس آجائے اور تمہاری ساکھ پھر سے اقوام دول میں قائم ہوجائے جو ہوچکا اس کا غم نہ کیاجائے جو باقی ہے جس کی حفاظت ابھی

ممکن ہے اس سے غفلت کرنے کا اب وقت نہیں۔ ہر صبح تمہاری گمراہی کا ایک پیام سناتی ہے اور میری نگاہوں سے ہندوستان کی جماعتی زندگی کا کوئی گوشہ چھپا ہوا نہیں۔ برائی بہر حال برائی ہے۔ نادانی، طامعانہ حرص، کاروباری جیوتر سے اب چل نہیں سکتی اس دکاندار سے زیادہ قوم کا کوئی دشمن نہیں جس کے سائن بورڈ میں حرص و خود غرضی کا رنگ روغن صاف ابھرا ہوا موجود ہے۔ جلد معلوم ہو جائیگا کہ قوم و ملت کا پاسبان و بہی خواہ کون ہے۔ ملک و وطن کا دشمن کون ؟

پس تمہارے لئے جہاں تک اندرونی جماعتی زندگی کا تعلق ہے لازمی ہے کہ اسلام کے عملی اداروں کو جن کو تم نے غفلت میں ڈال کر زندگی کی رونق گھٹا دی ہے پھر سے درست و استوار کر لو۔ فلاح کونین تمہارے لئے وقف ہو جائیں گے بس میں آج اس جگہ سے اس کے سوا تمہیں کوئی دوسرا پیام نہیں دے سکتا۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔ اولئک هم المفلحون و اولئک هم اولوا الالباب۔

خطبۂ عید الضحیٰ

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے ارشادات

بعد حمد و درود۔

برادران عزیز! تمہیں معلوم ہے کہ خطبہ کے چند گنے ہوئے منٹ جو میرے حصے میں آتے ہیں میں کوشش کرتا ہوں کہ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ اہم بات تمہارے کانوں تک پہنچا دوں۔ لیکن آج صبح سے ایک خاص چیز میرے دماغ میں گردش کر رہی ہے اور اس کا اظہار کئے بغیر میں رہ نہیں سکتا اور نہ واقعات کے تاثر اور حقائق کے نتائج سے کوئی بھی انکار و اغماض کر سکتا ہے۔

میں تمہیں بتلانا چاہتا ہوں کہ اس چیز کا جس کو میں تمہارے سامنے جلد بیان کروں گا۔ مجھ پر حد درجہ اثر پڑا ہے یہاں تک کہ دماغ کے ایک ایک ریشہ میں رچ گیا ہے۔ وہ کیا چیز ہے؟ "صرف دو واقعے" جن کو میں چند منٹوں کے اندر تمہارے کانوں اور دلوں تک پہنچا دوں گا۔ وہ دو واقعے کون ہیں؟ جن کو میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں اور جن سے دفتر کے دفتر وقت کی حقیقتوں کے تمہارے سامنے کھل جاتے ہیں۔

پہلا واقعہ:۔ یورپ کی علمی تاریخ کا واقعہ ہے اور دوسرا واقعہ اسلام کا ایک علمی اور تاریخی واقعہ ہے۔ تم میں اسکول اور کالج کے طلباء بھی موجود ہیں۔ جنہوں نے یقیناً اس واقعہ کو اپنے اسباق اور لیکچروں

میں پڑھا اور سنا ہوگا اور نا ممکن نہیں۔ اگر تم نے بھی کبھی کسی علمی محلس و تذکرہ میں اسے سنا اور دیکھا ہو۔ یہ واقعہ میں نے آج ۲۵ سال قبل مطالعہ کیا تھا اور جسے اس وقت تمہیں وقت کی مناسبت کے اعتبار سے بتانا اور یاد دلانا چاہتا ہوں۔ علمی ایجاد کے وقت میں، سترھویں صدی کے اوائل میں یورپ نے جہاں اور بہت سی مفید ایجادیں کی تھیں۔ ایک ایجاد دوربین بھی تھی۔

دوربین! ہاں دوربین!! وہ دوربین نہیں، جو تم تھوڑا دور دیکھنے کے لئے ریس والے دن اپنی جیبوں میں لے جاتے ہو۔ بلکہ وہ دوربین جسے موجد نے اس مقصد کے لئے ایجاد کیا تھا کہ فضائے سماوی کو دیکھا جا سکے ستاروں، سیاروں، اور چاند اور سورج کی حقیقتوں کو پرکھا اور جانچا جا سکے اور انسانی معلومات میں نئے نئے نظریے اور تجربے آئیں۔ علم کی وسعت کے لئے، بحث ونظر کے لئے، ایک نیا میدان نوع انسان کے سامنے آئے۔ غور و فکر کرنے والے دل و دماغ اپنی صلاحیتوں کو مفید کاموں میں استعمال کر سکیں۔ نیز اسی سترھویں صدی کی یہ تحقیقات کہ چاند دوسرے سیارگاں کے مقابلہ میں زمین سے نسبتاً قریب ہے نیز یہ تحقیق کہ زمین گردش کرتی ہے۔ یہ تمام مفید ایجادیں اور علمی تحقیقات جس نے کی، وہ محقق گلیلیو..... ہے۔

یہ وہ وقت تھا کہ یورپ میں مذہبی تعصبات کی ہوائیں چل رہی تھیں اور جہل، تعصب کی یہ طوفان خیزیاں، انسانی خون پانی کی طرح

بھاری تھیں۔ ٹھیک اسی زمانہ میں جب اس موجد و محقق نے اپنی تحقیقات شائع کیں کہ زمین تھمی ہوئی یا کھڑی نہیں۔ بلکہ سورج کے گرد ایک محور پر ایک نظام خاص کے ماتحت گردش کر رہی ہے تو اس کے خلاف تمام ملک میں آگ بھڑک اٹھی۔ مذہبی مجالس، مذہبی عدالتیں اور اس عدالت کی اعلیٰ بارگاہ سے۔ گلیلو موجد و محقق وقت کے خلاف کفر کے فتوے صادر کئے گئے اور کہا گیا کہ اس نے مذہب کی توہین کی ہے۔ رسم، اعتقاد اور تورات کی روایات کے خلاف اسی ورزندقہ کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ نیز نظام مذہب پر براہ راست حملہ کیا ہے یا پایان مذہب کو روحانی اذیت پہنچائی ہے۔ چنانچہ مذہبی عدالت اعلیٰ کی طرف سے مذہب کے نام پر زیادہ سے زیادہ وحشیانہ مظالم کئے جائیں۔

کیوں؟...... کس پر.... جس کا جرم، اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک حقیقت ایک علمی تحقیق وقت کی ایک مفید ایجاد سے کیوں قوم کو روشناس کر رہا ہے اور اس لئے کہ دور تاریکی سے نوع انسان کو علم و حکمت کی روشنی میں کیوں لا رہا ہے۔ یہ تھا گلیلو اور یہ تھا اس کا جرم و قصور اور یہ تھا سترھویں صدی کے مقدس پیشوایان مذہب کا عدل!!

فرمائش و فہمائش کی گئی کہ گلیلو تو یہ مت کہہ زمین گھومتی ہے مگر دوستو۔ حقیقت، حقیقت ہے۔ وہ پرواہ نہیں کرتی۔ خس و خاشاک کیا رائے رکھتی ہے۔ اس کی اس نے کبھی پرواہ ہی نہیں کی۔ گلیلو نے انکار کیا مذہبی مقدس عدالت کے سامنے بلایا گیا۔ اسی کے زبان سے اُسکی تحقیقات اُلٹی

علمی ایجاد پر بیان لیا گیا۔ اور حکم دیا گیا۔ کہ اس کفر سے عدالت کے سامنے اظہارِ معذرت و توبہ کرلے۔ گھٹنے ٹیک کر طالب عفو ہو۔ ورنہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دئے جانے پر آمادہ ہو جائے۔ عقوبت و سزا کے لئے مستعد ہو جائے۔ اور طرح طرح کے عتاب برداشت کرنے پر تیار!

گلیلو، پہلے تو اپنی بات پر اڑا رہا۔ اور اس نے اپنی تحقیقات کو جرم اور توہین مذہب تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا۔ یہ تو صرف علمی انکشاف دریافت اور نظریہ ہے اہانت مذہب سے اس کو کیا واسطہ مگر جب عدالت کے اشارے سے جلاد آگے بڑھے تو کانپ اٹھا۔ آخر غریب بوڑھا تھا۔ ہمت نے جواب دیا۔ دل مضبوط اور پاؤں ثابت قدم نہ رہے۔ ڈگمگایا اور پھر بولا بہتر ہے میں توبہ کرتا ہوں۔ گھٹنے ٹیکے۔ معذرت کی اور معافی مانگ لی رہائی کا حکم پا کر واپس چلا۔ ہنوز عدالت برخاست نہ ہوئی تھی دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ کھڑا ہو گیا۔ اور گھوم کر عدالت کو مخاطب کر کے بولا۔ مگر زمین اب بھی گھوم رہی ہے۔ گرفتار کر لیا گیا۔ بوڑھاپے کے دروازے پر پہنچ جانے کے باوجود اب ہمت جواں ہو گئی تھی۔ کڑک کر بولا میں گھٹنے ٹیک سکتا ہوں۔ مجھ پر تمہاری قہر و غضب کی بجلی گر سکتی ہے۔ تمہاری عدالت میرے جسم کو عذاب و عقوبت میں مبتلا کر سکتی ہے۔ مگر، زمین..... پر تو تمہارا بس نہیں۔ اس پر تو تمہارے کفر کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ اور علمی تحقیق تو ایک علم ہے ایک حقیقت ہے۔ حقیقت تو تمہارے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے گی بلکہ اس کے خلاف..... تم..... تم ایک دن حقیقت کے سامنے

جھک جانے پر مجبور ہو گئے۔

ڈریپر Draper نے جن الفاظ کے ساتھ تاریخ کے نہ محو ہونیوالے اوراق پر اس حقیقت اور ان مقدس درندوں کے بے دردانہ مظالم کا نقشہ کھینچا ہے اس کا ایک ایک حرف میرے دل پر کھد گیا ہے۔ موجد و محقق کے ساتھ مذہب کے نام پر ظالموں کے اس سلوک نے یہ کیا کہ گو گلیلیو موت کی ابدی نیند میں سلا دیا گیا۔ مگر ایک جماعت کا ضمیر اچانک جاگ اٹھا گلیلیو کے الفاظ کہ میرے توبہ کرنے سے حقیقت کا کیا نقصان جو بہر حال حقیقت ہے حقیقت کو اس کی کیا پروا۔ کہ کس کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ کون کرتا ہے کیوں کرتا ہے؟ وہ ہر حال میں حقیقت ہے۔ حقیقت کسی کے سامنے گھٹنے ٹیک نہیں سکتی۔ بلکہ دنیا خود حقیقت کے سامنے جھکتی ہے۔ پھر ایک دن؛ جو اس دن سے زیادہ دور نہ تھا۔ ایسا آیا کہ لوگ گلیلیو کی پرستش کر رہے تھے۔

یورپ کے علمی تاریخ میں تجسس و تحقیقات کی یہ حقیقت آج بھی ابھرے ہوئے نقوش اور روشن نمود کے ساتھ موجود ہے۔

دوسرا واقعہ:۔ دوسرا واقعہ اسلامی دورِ حکومت کی ایک علمی دنیا کی حقیقت ہے یہ واقعہ امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ ہے خلیفہ واثق اور مامون کے زمانے میں خلق قرآن کا ایک فتنہ اٹھتا ہے بارگاہ خلافت کے شوجلال ایوان سلطنت سے آواز اٹھتی ہے کہ قرآن کو مخلوق مان لیا جائے۔ اغراض کے بندے کس زمانہ میں نہ تھے منصب و جاگیر کے خواہاں کس

وقت کم رہے ہیں ؟ ...... کتنوں نے تو فوراً تسلیم کر لیا۔ کتنے ایسے بھی تھے جو اس گھونٹ کو آسانی سے پی لینے پر آمادہ نظر نہ آتے تھے کتنے خوف و دہشت کے سبب سے انکار تو نہ کر سکتے تھے۔ مگر تاویلیں تلاش کر رہے تھے کتنے ایسے بھی تھے جو وطن چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ..... کچھ حق و صداقت کے پیکر ایسے یقیناً تھے۔ اور جن کے وجود سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہا۔ جو علی الاعلان کہہ رہے تھے کہ قرآن میں تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں۔ نیز یہ کہ (هُوَ کَلَامُ اللّٰہِ غیر مخلوق) قرآن اللہ کا کلام ہے۔ مخلوق نہیں۔ خلفائے عباسیہ کا دربار، معتزلہ کی کثرت اُن کا اصرار، وقت کے جتنے علما تھے انکا اقرار تذبذب، تاویل۔ یا فرار۔ امر حقیقت یہ ہے کہ ایک عجیب ابتلا آزمائش دار و گیر کا زمانہ تھا۔ جنہوں نے انکار کیا تھا۔ جیل کی کوٹھریوں میں بند اور مبتلائے عذاب تھے۔ جو کمزور دل کے تھے اقرار کر کے نکل آئے۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ۔ جن بزرگ نے کہ جیل کی کوٹھری۔ تازیانہ کی مار، کوڑوں اور دروں کے غیر انسانی عذاب کو پسند فرمایا بلکہ خود دعوت دی تھی۔ ہرگز آمادہ نہ ہوئے کہ باطل کے سامنے گھٹنے ٹیک کر، جھک کر جان بچا لینے کو ترجیح دیں۔ اگرچہ حکومت نے اپنے خفیہ کارندوں سے امام جلیل کو کہلوایا۔ کہ جان بچانا فرض ہے۔ اثر نہ ہوا۔ عہدے اور منصب کی ترغیب دی گئی۔ منہ پھیر لیا۔ عذاب و عقاب کا خوف دلایا گیا۔ مسکرا دیئے۔ امام ممدوح کے ساتھ ایک صاحب اور تھے۔ جب سزا کو برداشت نہ کر سکے تو لطائف الحیل کے ساتھ جیل کے باہر آ گئے

انہیں بھی یہی مشورہ دیا۔ لیکن حقارت و نفرت سے ٹھکرا دیا اور فرمایا (اعطونی شیئاً من کتاب اللّٰہ)

دوستو! میرے سامنے ایک حقیقت ہے، وقت کی سختیاں چیز ہی کیا ہیں! ان سختیوں کو دوام نہیں۔ فنا ہے۔ جسم فنا ہوا تو سختیاں بھی نابود سمجھو۔ مجھے زمانے کی کڑی اس روشنی سے ہٹا نہیں سکتی۔ جو میرے سامنے ہے ...... بدستور کوڑے کھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ تمام پیٹھ لہو سے تر ہو جاتی ہے۔ جب حالت حد درجہ نازک ہو گئی تو علماء کی ایک جماعت، جسے علماء کہنا ہی علماء کی توہین ہے۔ آئی، اور طرح طرح کے حیلوں سے اس وجود عظیم کو جادۂ حق سے منحرف کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اچھا میرے ساتھ آؤ۔ جیل کی کوٹھڑی کے ایک دریچہ میں لے گئے۔ کھڑکی کھولی۔ باہر ہزارہا مخلوق۔ آج کی گفتگو سننے اور نتیجہ قلمبند کرنے کے لئے موجود کھڑی تھی۔ ہاتھوں میں قلم، دامن میں دوات۔ آپ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم کون ہو؟ اور یہاں کیوں آئے ہو؟ جواب ملا "ہم طالبان علم ہیں" اور اس لئے آئے ہیں کہ یہ آپ کا آخری وقت ہے اس مسئلہ کی بابت آپ کی رائے قلم بند کر لیا جائے تاکہ دو آمنہ کیلئے دلیل ہو۔ یہ جواب سنکر آپ نے اس جماعت سے خطاب فرمایا۔ تم نے سن لیا۔ اور میری ذمہ داری کا اندازہ کیا۔ اگر میں آج حقیقت پر ثابت قدم نہ رہا۔ تو کل قیامت کے دن امت رسول اقدس اور اللہ کو کیا جواب دوں گا اور موت تو بہر حال آتی ہے ...... میں جانتا ہوں کہ بہت سے علماء اقرار کر کے جیل سے چھوٹ چکے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ

اگر میں بھی پسند کر دوں تو اسی طرح اقرار کر کے چھوٹ سکتا ہوں۔ یہی نہیں اعزاز بھی ملے گا۔ اکرام بھی ہوگا۔ ورنہ یہی عذاب، تا آنکہ مجھے موت اپنی آغوش میں لے لے مگر کیا میں ایک بدعت کے سامنے جھک جاؤں؟ کیا ایک باطل کو قبول کر لوں؟ کیا وقت کی چند گھڑیوں کے عوض حقیقت سے انکار کر دوں؟ کیا امت میں ایک فتنہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ جاؤں؟ یہ ہرگز نہ ہوگا ناممکن ہے کہ میں نظام قرآن درہم برہم کر دوں۔ مجھے یہ تمام مصائب منظور، مگر حقیقت سے روگردانی، سچائی سے انکار، مجھ سے یہ توقع عبث، جاؤ خلیفۂ وقت کو بتا دو۔

اللہ اللہ ۵۲ برس ہوئے کہ میں نے ان تاریخی اور علمی حقائق کو دیکھا تھا۔ اور یہ دونوں واقعے اس درجہ مجھ پر اثر انداز ہوئے کہ میرے دل و دماغ کے گوشہ گوشہ میں رچ بس گئے ہیں حتیٰ کہ اکثر اوقات یہ واقعات خواب میں متشکل ہو کر مجھے نظر آتے رہتے ہیں، حقیقت بہرحال حقیقت ہے۔

میرا معاملہ کلکتہ میں محدود نہیں ہے۔ کلکتہ کا کوئی گوشہ میرے سامنے کبھی نہیں۔ ایک چیز اور یاد رکھو، ایک لمحہ کے لئے بھی نہ بھولو تم مجھ سے ساری فرمائشیں کر سکتے ہو، مجھ سے سب کچھ لے سکتے ہو مگر ایک سیکنڈ کی خاطر ایک سیکنڈ کے پچاسویں حصہ کے لئے بھی میری نسبت یہ توقع نہ کرنا کہ میں نے جس حقیقت کو اپنی بصیرت کی روشنی میں دیکھ لیا ہے ٹھیک اسی طرح، جس طرح تم اس چمکتے ہوئے سورج کو دیکھ

رہے ہو۔ اس حقیقت سے ..... ہاں اسی حقیقت سے ..... الکیائج بھی ہٹ جاؤں گا۔ زمانے کی تلخیاں۔ یا کروڑ روپے کا لالچ۔ جو بھی ہو مجھے اس حقیقت سے برگشتہ نہیں کر سکتا اور لوگوں کی خواہش..... لوگوں کی خواہش۔ حقیقت کے سامنے چیز ہی کیا ہے۔ سارے انسان۔ یہ تو خس وخاشاک کے ڈھیر ہیں۔ خس وخاشاک ہاں خس وخاشاک۔ یعنی مٹی کے ڈھیر ہیں۔ حقیقت کے آگے اس مٹی کے ڈھیر کی حقیقت کیا ہے مکھیوں کا گروہ ہیں تم کو اگر مکھیاں گھیر لیں، تو کیا تم مکھیوں کے سامنے سر جھکا دو گے۔ یقیناً نہیں، بلکہ ان پر قابو حاصل کر دو گے۔ مجھے جو کچھ ملا ہے حقیقت کی روشنی میں ملا ہے قبول عام کے لئے میں نے کبھی کسی کی پیروی نہیں کی، بلکہ اپنی راہ خود بنائی ہے، کوئی لالچ مجھے لبھا نہیں سکی۔ کسی کی ہیبت ناکی مجھے مرعوب نہیں کر سکی.....

جس راہ کو درست، حق اور سچی سمجھ کر سچائی کے ساتھ بصیرت کی روشنی میں اختیار کیا۔ اسی جادۂ حق وصواب پر آج تک قائم ہوں اور اس کے نتائج کو اتنا ہی قریب دیکھ رہا ہوں۔ جتنا تم مجھ کو انانی جنگل۔ ذرات کا یہ صحرا اس کی نبضیں تو میرے ہاتھ میں ہیں۔ حقیقت کے سامنے ان وجود کی خواہشات کا شمار ہی کیا؟ حقیقت بہر حال حقیقت ہے۔

هذا وان احسن الكلام كلام الله الملك العلام۔

سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مسلم انسٹیٹیوٹ کلکتہ میں ۲۷ نومبر ۳۵ء کی شب میں سیرت پاک پر ذیل کی پُر از معلومات و مشعلِ راہ ہدایت تقریر ارشاد فرمائی گئی تھی۔

کلمات مسنونہ کے بعد فرمایا:- برادران عزیز!

مجالس کی تمام تقریروں کا یہ قاعدہ بن گیا ہے کہ ابتدا میں کچھ باتیں بطور رسمی تمہید کے ضرور کہی جاتی ہیں لیکن میں اس وقت بالکل پسند نہ کروں گا کہ تھوڑا سا بھی وقت جو ایک مفید مقصد کے لئے میسر آیا ہے اصل موضوع کے علاوہ، غیر ضروری باتوں میں صرف کیا جائے۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس موضوع کی اہمیت۔ اہمیت کا لفظ کافی نہیں..... لا انتہائیت کا کیا حال ہے؟ جس وجود مقدس کے تذکار کے لئے ہم جمع ہوئے ہیں، تاریخ انسانیت کی کامل تیرہ صدیاں اس پر گزر چکی ہیں اور شاید کوئی انسانی ہستی اس ذات گرامی کے علاوہ ایسی نہیں گزری، جس کا عقل انسانی نے، اس کے تمام گوشہ ہائے زندگی کا اس قدر سراغ لگایا ہو جس قدر اس مقدس و عظیم الشان ہستی کے لئے لگایا جارہا ہے۔ مگر داستان حیات اُس ذات گرامی کی ہنوز نامکمل ہے وجود مقدس کی حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے، سمندر کی موجوں کو ایک کوزہ میں اور دریاؤں کی روانی قطرہ میں اگر بند کیا جاسکتا ہے تو شاید

ہی کوئی اس کا کھوج لگا سکے میں کوشش کروں گا کہ اسی ایک قطرہ کے حسن و وصف کے تذکار اقدس میں یہ وقت گذارا جائے۔

میں آپ کو جس رخ پر لے جانا چاہتا ہوں، وہ رخ کون سا ہے؟ سیرت پاک پر نظر ڈالنے کے لئے، ایک نہیں بے شمار دروازے ہیں دو راستے سے اس کی کبریائی کی سراغ رسانی کی جا سکتی ہے لیکن میں کوشش کروں گا کہ کم سے کم اور قریب ترین راستے سے اس کی عظمتوں کا مطالعہ کرا سکوں۔ میں اس امر کی کوشش کروں گا کہ وہ تمام اوصاف و واقعات جو سینکڑوں بار دوہرائے جا چکے ہیں اور جن کو صدہا بار آپ کے کانوں نے سنا ہو گا انہیں نظر انداز کر دوں۔ میں کوشش کروں گا کہ کوئی ایسا نقطۂ نگاہ آپ کے سامنے پیش کروں کہ اس کے اعمال عظیمہ کو یقینی معیار پر رکھ کر آسانی سے جانچ سکے۔ ایسا معیار ہم اپنی طرف سے بنانا نہیں چاہتے ہمیں دیکھنا ہے کہ قرآن حکیم نے کیا کوئی ایسا معیار بیان کیا ہے؟ اگر بیان کیا ہے تو اس کے ماتحت، اس کے اعمال حسنہ کا کیا حال ہے؟

جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس وجود گرامی اور زندگی مقدس کے لئے بے شمار معیار ملتے ہیں، جس کو خود آپ نے بھی بارہا سنا ہو گا، سنا ہو گا مگر اس کی گہرائیوں تک غور نہ کیا ہو گا۔

اچھا سنو! ان میں سے ایک یہ ہے۔ سورۂ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے ایک معیار بیان فرمایا ہے ولقد کتبنا فی الزبور (تا) الا رحمۃ للعالمین الخ

اس آیت میں ایک معیار بتایا گیا ہے، ہر معتقد کے لئے جو دیکھ لینا چاہیے
ہر منکر کے لئے جو پرکھنا چاہیے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس وجود گرامی کا ظہور کس ماحول میں ہوا؟ اور اس نے کیا نتائج نکالے؟ میں ابھی آپ کے سامنے چند کارنامے اس وجود مقدس کے پیش کروں گا، فیصلہ خود آپ کے سامنے آجائیگا وما ارسلناك الا رحمة للعالمین اس کا ظہور اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمۃ للعالمین۔ تمام نوع انسانی کے لئے رحمت کسی ایک ٹکڑے کسی ایک گوشے کے لئے نہیں، تمام نوع انسانی کے لئے، مشرق و مغرب کے لئے، اسود و احمر کے لئے، کسی ایک خاص قوم کے لئے نہیں۔ اقوام عالم کے لئے اللہ کا یہ اعلان حق ہے قرآن کے اس اعلان حق سے آج تک کوئی منکر بھی انکار نہیں کر سکا، بلکہ تاریخ کے جتنے ابواب اوراق الٹے گئے، اس اعلان کی صداقت و حقانیت واضح بلکہ واضح تر ہوتی گئی اور اس وجود گرامی کا رحمۃ للعالمین ہونا ہر اعتبار و ہر نوعیت سے ثابت و درست ہوتا گیا۔ کسی محقق کی بھی خواہ وہ کتنا ہی مخالف ہو یہ مجال نہیں ہوئی کہ قرآن حکیم کے اس معیار کو غلط ثابت کر سکے اور اس وجود اقدس کے اعمال حسنہ پہ حرف رکھ سکے بلکہ اس کا ہر عمل بجائے خود دلیل بنکر پکارا کہ ہاں میں رحمت ہوں!

اگر کسی نوعیت سے یہ رحمت نہ ہو تو پھر رحمت ہوتا کون، اور ہے کیا؟ تاریخ کو کون جھٹلا سکتا ہے کوئی بھی تاریخ اٹھاؤ تم دیکھو گے

کہ ہر امتیاز، ہر پہلو ایک ابھری ہوئی نشانی ہے۔ ہر عمل، عمل خیر اور معیار رحمت ہے ایسا کہ ہر نظر، ہر نگاہ، ہر دل، ہر دماغ، اعتراف و تسلیم کرے گا کہ بلا شک و شبہ یہی وجود گرامی رحمت الٰہی ہے۔

دوسرا معیار:۔ اس ذات اقدس کے رحمۃ للعالمین ہونے کا قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت سے ثابت ہے جو سورۂ اعراف میں ملتی ہے وہاں فرمایا:۔ ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم۔ اس آیت کا مقصد و نتیجہ کیا ہے؟ پہلے تم کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اصر کے معنی کیا ہیں عربی میں اصر کے معنی بوجھ کے ہیں معمولی قسم کا بوجھ نہیں بلکہ ایسا ناقابل برداشت بار شدید جو کسی کو تہہ کردے اکثر آپ نے دیکھا ہوگا کہ کوئی شخص سر پہ بوجھ اٹھائے چلا جارہا ہے لیکن شدت بار سے اس کی کمر جھکی چلی جارہی ہے۔ خم ہوئی جاتی ہے پس اسطرح کی حالت کو عربی زبان میں اِصر کہتے ہیں اغلال، اغلال کے معنی ہیں محبت، مشقت میں مبتلا، مفہوم عام میں جکڑ بند رہنا۔ طرح طرح کے شدائد اور سختیوں میں، مصائب و آلام میں محصور اور قسم قسم کے دام بیڑیاں، پھندے، جن میں انسان قید و مبتلا رہے۔

غور کرو قبل ظہور اسلام کیا اقوام عالم کی بالکل یہی حالت نہ تھی؟ تاریخ کے اوراق سے پوچھو۔ کیا وہ انہیں آلام و مصائب کا علی الاعلان ثبوت پیش نہیں کررہے؟ قبل بعثت کیا انسانی گردنوں میں طرح طرح کے پھندے ان کے پاؤں میں قسم قسم کی بیڑیاں نہیں پڑی ہوئی تھیں؟

نسل انسان کیا رنگ رنگ کی جکڑ بندیوں میں جکڑے ہوئے نہ تھی، ایسا کہ ان کی کمریں دوتہہ ہوئی جاتی تھیں؟ اور اس وقت انسانی کاندھوں پر جو بوجھ لدے ہوئے تھے کیا انہوں نے ان کی زندگی کو تلخ نہیں بنا ڈالا تھا؟ قانون کے جو پھندے ان کی گردنوں میں مذہبی آستانوں کے جو حلقے ان کے جسموں میں لپٹے ہوئے تھے، کیا ان سے ان کی جسمانی و روحانی تسکین پامال نہیں ہو رہی تھی؟ ہاں ایسا ہی تھا اس وقت کی صدہا اقسام کی مذہبی و قانونی جکڑبندیاں ایک لعنت بن کر نسل انسان و نوع بشری کے ساتھ چپک گئی تھی اور انسانوں کے ساتھ انسانیت کا بھی خون ہو رہا تھا اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، مستشرقین یورپ کی تحقیقی رپورٹ اور تاریخ کے اوراق بھی یہی کہتے ہیں۔

عین اسی عالم یاس و آہ میں سرزمین مکہ سے ایک آواز بلند ہوتی ہے جو طالبان نجات کے لئے وجہ نجات ثابت ہوتی ہے۔ یہ اعلان کوئی معمولی اعلان نہیں تھا کیا اعلان؟ اعلان کہ ایک ہستی آئی ہے، کیوں آئی ہے؟ کرۂ ارضی پر بسنے والی نوع انسان کے لئے پیام رحمت لے کر، زمین کی پیٹھ پر اس طبقہ انسانی کے لئے جس کی گردنوں میں ظالمانہ قانون کے پھندے اور پاؤں میں بیرحمانہ احکام کی بیڑیاں، اور کندھوں پر مصائب و آلام کے مشقت و مصیبت کے ناقابل برداشت بوجھ لدے ہوئے ہیں پیغام آزادی لے کر، ہر اس کمر کے لئے جو بوجھ سے دوتہہ اور ہر اس گردن کے لئے جو طرح طرح کی ظالمانہ جکڑ بندیوں میں جکڑی ہوئی ہے، نوید امن لے کر۔

یہ دو معیار تفتیش ہیں جن کو لے کر میں بحث و نظر کے میدان میں آتا ہوں

حسن واعتقاد کے ساتھ نہیں، تحقیق وتدقیق کے اصول پر، اپنا نظریہ نہیں تاریخ کا فیصلہ، تاریخ بھی معتقدوں کی نہیں، بے رحم تاریخ کا بے رحمانہ فیصلہ، بے لاگ فیصلہ، وہ تاریخ جو کبھی کسی کے سامنے جھک نہ سکے جس کو دنیا کی کوئی قوت متاثر نہ کر سکے جس کو دنیا کی کوئی دولت خرید نہ سکے جس کو دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہ سکے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تاریخ کا فیصلہ کیا ہے؟ وہ فیصلہ جو حقیقت وتفصیل کے بنیاد پر ہو، وہ فیصلہ نہیں جو اعتقاد وتاویل کے بنا پر۔۔۔۔
پس اس سلسلہ میں تمہارے سامنے دو معیاری چیزیں آئیں۔ ایک تمام کرۂ ارض کے لئے رحمت۔ دوسرے وہ تمام بوجھ جس سے نوع انسانی کو جکڑ بند کر دیا گیا تھا، اس سے نجات یہ دو بنیادیں، یا قرآن کی بولی میں دو معیار ہاتھ آگئے، دو کسوٹیاں مل گئیں، ہم دیکھیں گے کہ بے رحم تاریخ کا اس معیار وکسوٹی کے مطابق فیصلہ کیا ہے؟

سیلاب ہستی میں چند حبابوں سے زیادہ حقیقت نہیں اگر ہم اپنے جذبات، اعتبار، پرستش واعتقاد کو کام میں لائیں، بلکہ ہمیں حقیقت اور صرف حقیقت کی رو سے معاملہ کی چھان بین کرنی ہے، تاریخ کا یہ ایک کھلا ہوا باب اور عریاں حقیقت ہے کہ قرآن حکیم نے چند لفظوں میں جو نقشہ کھینچ دیا ہے، ساتویں صدی عیسوی میں نسل انسانی کا ہو بہو وہی نقشہ، وہی فوٹو اور وہی حالت زار تھی، شاہانہ اقتدار بے جا اور قانون وقت نے نوعِ انسانی کو بے طرح جکڑ بند کر دیا تھا۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں، کہ

اسکے ثبوت کے لئے تمہیں بہت دور اور تاویلات میں جانے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف تاریخ کے چند اوراق کی ورق گردانی کے بعد ہی تمہارے سامنے اس وقت کا پورا نقشہ آجائے گا۔ اور ان جگر خراش واقعات کی صورت پر بھروسہ کرتے ہوئے حیات جناب محمد رسول اللہ کے ساتھ اسکا مقابلہ کرو تو تمہارے سامنے امن و راحت کی جو تصویر آئے گی کیا اس پر رحمت کے سوا کسی دوسری چیز کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ نوع انسانی کی دونوں حالتیں جب موازنہ کے لئے ترازو کے دو پلڑوں میں رکھی جائیں، پھر ہم تاریخ کا دروازہ کھٹکھٹائیں، اس سے پوچھیں، حقیقت کیا ہے؟ انصاف کیا کہتا ہے؟ اس وقت اقوام عالم کا کیا حال تھا؟ ظہور اسلام کے بعد صورت معاملہ کیا ہے؟

تاریخ کا ناطق فیصلہ خود حقیقت بتلا دے گا۔ یہ کوئی پیچیدہ راز نہیں ابھری ہوئی خصوصیت ہے جب دعوت اسلام کا نمود ہوا اُس وقت امم عالم کا کیا حال تھا؟ انہوں نے تمدن کی جو بنیاد رکھی تھی، کیا رکھی تھی؟ کس نے رکھی تھی؟ جواب صاف ہے کہ وہ لاطینی قوم تھی۔ اسی کا تمدن اقوام عالم پر چھایا ہوا تھا۔ روما کا تمدن ترقی پر تھا، قدیم یونانی ضوابط قوانین، رسم و رواج، تمدن و معاشرت کا دور دورہ تھا اور ان تمام اقوام کا یہ حال تھا کہ آسمانی حکومت کا خاکہ تک برباد کر رہا تھا نام نہاد قیصر تو تھا مگر حقیقت میں قیصر کا سایہ تک نہ تھا، مسیحی مذہب انتہائی عروج تک پہنچ چکا تھا۔ بجائے اس کے کہ غریبوں کی حکومت حق

وصداقت کی سلطنت ہوتی، شہنشاہی مذہب ہو چکا تھا، ساتویں صدی عیسوی
میں جبکہ عیسوی مصلحین کا ظہور ہوا تھا، اخوت، ایثار نفس، ہمدردی کے
بجائے تمام وکمال جابرانہ نظام نافذ تھا، عقل، فہم، ادراک کا نام لینا
ان کی مجلس ملی کے سامنے کفر تھا، بلکہ صرف مختلف آسیب زدہ روحوں
کی شہادت پر، تمام معاملات ملی ومذہبی کا فیصلہ کیا جاتا اور جب یہ فیصلہ
کرنا ہوتا تھا کہ سچائی کیا ہے، تو تمام تحقیقات کا دارومدار آسیب زدہ
انسان کی شہادت پر تھا۔ وہ اعلان کرتا تھا کہ فلاں گروہ کے ساتھ سچائی
ہے بس وہی فیصلہ، فیصلہ ناطق تھا جو ان کی مجلس ملی کے اعلان کی
صورت میں نافذ ہو جاتا تھا۔

پھر جب قیصریت کا مرتبہ پوپ کو حاصل ہوا تو اس وقت سچائی
کی شناخت کا معیار کیا قرار پایا؟ مختلف قسم کی جسمانی سزائیں، عقوبتیں
اور اذیتیں اگر کسی فرد یا جماعت نے سچائی کا دعویٰ کیا، پوپ کی فوج نے
پابند طوق وسلاسل کر کے اس کی عدالت میں لا کھڑا کیا پارلیمنٹ نے
آزمائش کا معیار کیا منتخب کیا؟ کبھی لوہے کو آگ میں تپایا گیا اور ان کے
جسم داغے گئے اس شدید عذاب، اذیت سے اکثر جان بحق ہو گئے، اگر کوئی
بچ رہا تو قید کی کڑیاں جھیلنے کو، جیلوں کی کوٹھریاں آباد کرنے کو یہی معیار
اور کیا تھا؟ دریا میں ڈبو دیا جاتا تھا، ہاتھ پاؤں باندھ کر کبھی بند کمبلوں
اور بوروں میں تنہا، کبھی وزن کے لئے پتھروں کے ساتھ۔ یہ اور اسی قسم
کے اور صدہا وہزارہا ظالمانہ طریقے تھے ان کے معیار شناخت کے بہرحال

جس نے اقانیم ثلاثہ سے انکار کیا توحید کی دعوت دی فیصلہ ہوا کہ سچائی کے دعوے کو جانچا جائے۔ اور کس طرح جانچا اور پرکھا جائے؟ آگ اور پانی کے ذریعہ نہ عقل نہ فہم، نہ ادراک، نہ بصیرت، بس آگ اور پانی۔ یہ تھے آسیب زدہ انسان کے فیصلہ کے مطابق سچائی کے معیار، ان میں سے جو نہ جلتا یا کم جلتا، یا نہ ڈوبتا، یا ڈوب کر ابھر آتا، اوس کے حق پر ہونے کی مہر لگ جاتی۔ عقل انسانی کسی گوشہ میں بھی کارگر نہ تھی۔

پس بتاؤ کیا خدا کی مخلوق، اسی شدائد و مصائب کے لئے پیدا ہوئی تھی؟ کیا کوئی عقل ایک لمحہ کے لئے تسلیم کر سکتی ہے کہ کسی مذہب اور توحید کی سچائی کی جانچ کے لئے یہ معیار صحیح ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر کیا قرآن کی بولی میں یہ عذاب الیم اور محن و مصائب "زنجیریں" اور بوجھ نہ تھے، جو مسیحی نظام حکومت نے نوع انسانی کے پاؤں میں اور گردنوں پر ڈال رکھے تھے؟ تاریخ کے اوراق پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالو، ساتویں صدی عیسوی کے مسیحی نظام سلطنت کو پڑھ جاؤ، تمہیں ان کے مذہبی اعمال و عقائد کی کیفیت ان کے اوہام و ظنون کی داستان ان کی وحشت و بربریت، درشتگی و درندگی کا حال معلوم ہو جائے گا۔ میں نے تو صرف ایک اشارہ کر دیا ہے۔ کتاب اللہ، اناجیل جس کی بنیاد وحی الہی پر تھی، باقی نہ رکھی گئی، بلکہ چند انسانوں کے ہاتھ کی ایک تصنیف و تالیف ہو کر رہ گئی، جو ہر وقت و ہر لمحہ ذاتی و نفسانی ضروریات کے لئے تبدیل و تحریف کی جا سکتی تھی۔ پوپ جو پطرس کا جانشین تسلیم کر لیا گیا تھا چرچ اور

تخت روما کا مالک تھا اور اناجیل مقدس کی کتربیونت کا باختیار حاکم۔
ضلالت علیائیت کا سرچشمہ کون تھا؟ کیا کتاب اللہ؟ نہیں، کیا عقل و فہم؟ نہیں، پھر کیا تھا؟ چند انسانوں کا غلط فیصلہ، وہ فیصلہ جو نفس و خون کے زیر اثر نافذ ہوتا تھا۔ دلیل و اجتہاد سے نرا فیصلہ، یہ بات سننے میں اتنی ہلکی معلوم ہوتی ہے اور آپ کے چہروں کے مشاہدے سے میں اس نتیجہ پر پہنچ رہا ہوں کہ آپ نے بھی اس کو کوئی اہمیت نہ دی۔ غور کرو! میں نے کتنی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

وہ انسان جن کی عقل کے دروازے پر قفل لگ گیا اور ان کی قوت ادراک نابود ہو گئی، طرح طرح کے توہمات نفسانی کا شکار ہو گئے آسیب زدگی ان کے ہر ہر قدم، ہر ہر فعل و قول سے واضح ہے کیا وہ اس قابل نہیں کہ عقول انسانی ان کے سامنے جھک جائیں؟ اور اگر عقلیں ان کے سامنے جھک جائیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ عقول انسانی ایک لمحہ کے لئے ترقی و نشو و نما پا سکتی ہے! ہرگز نہیں . . . . یہی حال تھا جب کہ قوانین الٰہی و شریعت نبوی مٹا ڈالی گئی تھی، اغراض و ہوائے نفس کا دور دورہ تھا، پس غور کرو، جب عقل بالکل بیکار کر دی جائے جب کتاب اللہ میں، تحریف کر کے انصاف کے دروازے بند کر دئے جائیں جب معیار حق و صداقت، چند آسیب زدہ انسانوں کے نفس پرورانہ احکام فیصلے ہوں، تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی حقیقت تھی چرچ روما کی، ایک

آسیب زدہ انسان کے ہاتھ میں سررشتۂ حکم آگیا تھا اور نظام سلطنت فطری آزادیوں پر نہیں، ظالمانہ قوانین پر تھا، جب تم نے یہ اصل تسلیم کرلی تو نتیجہ نکال لو گے کہ ہر قسم کے ذہنی ارتقاء، عقلی نشوونما، یکسر دیک قلم رک گئی تھی۔ یقیناً افرادِ انسان کی ترقی رک گئی تھی، کیوں؟ تمام دینی و دنیوی معاملات کا دارومدار چند انسانوں اور پوپ، مادُوف الدماغ پوپ پر تھا، یہود و نصاریٰ سب کے سب یکساں گمراہی میں مبتلا تھے یہ تھا مسیحی نظام مذہب کا حال جس نے نسل انسانی کی عقلی ترقی، رشد و ہدایت کو یکسر روک دیا تھا۔ ضروری نہ رہا تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ انجیل کا کیا مطلب ہے اس کے سمجھنے اور اس کے فیصلے کا اختیار پوپ یا اس کی مجلس کو تھا اپنی عقل کو ترک کرکے کتاب اللہ سے منہ موڑ کر انسان، چند انسانوں کے ہاتھ میں حکومت بند ہو گیا تھا۔ پوپ کی طرف سے احکامات نافذ ہوا کرتے تھے کہ ہر انسان بطور خود معاملات شرع میں غور و فکر کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ کام چرچ کا ہے عوام کو اسی کے تابع رہنا چاہئے اور یہی ہے وہ حقیقت جو آج بھی یورپ میں بطور اصل کام کر رہا ہے۔ عقول انسانی کو معطل کرکے اس کا فرمان یہ تھا کہ جس کو میں حلال کروں وہ حلال اور جس کو میں حرام کروں وہ حرام یہی تھی اور ہے وہ بنیادی خرابی جو نسل انسانی کی ترقیات ذہن و عقل کو کھائے جارہی تھی، اور ان کے نشو و ارتقا کی جڑوں کو کھوکھلی کر چکی تھی اور اس کی طرف قرآن حکیم نے اربابًا من دون اللہ والی آیت

میں اشارہ کیا ہے یا اعجاز و بلاغت قرآن ہے کہ بڑے بڑے اہم واقعات وحالات کو مختصر و جامع الفاظ میں بیان کر کے وقت کا نقشہ کھینچ دیتا ہے۔

کوئی غیر طرفدار مورخ ہو، آئے اور جانچے، کیا سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو اس وقت کی حالت کا نقشہ کھینچ رہا ہے ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم کی صداقت سے انکار کر سکے گا؟ اسی قدر نہیں قرآن نے جا بجا اس طرف اشارہ کیا ہے۔ یمن کے بشپ والبطریق کے معرفت مسیحی دنیا کو جو پیام دیا تھا، کیا تھا؟ تم نے اگر کبھی قرآن کھولکر پڑھا ہوگا اور ساتھ ہی غور کرنے کی تکلیف بھی کی ہوگی تو سورۂ آل عمران میں پایا ہوگا۔ جس میں وہ پیام ان الفاظ میں دیا گیا تھا۔ یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم، یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں سے خطاب ہے، طلب کسی اور چیز کی نہیں ہے، دنیا کی امداد نہ ذات کے لئے فائدہ کی، بلکہ مطالبہ ہے، اشتراک عقیدہ کے لئے توحید پر اتفاق کے لئے یعنی الا نعبد الا اللہ، خدا کی چوکھٹ کے سوا کسی انسانی بارگاہ پر خواہ وہ ظاہری ٹھاٹھ میں کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، عبادت کی پیشانی نہ جھکائیں دوسرے ان لا نشرک بہ شیئاً۔ عقیدتاً بھی، باطن میں بھی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، گویا ظاہر ہو تب، باطن ہو تب، دونوں حالتوں میں اسی کی عظمت، اسی کی کبریائی، اسی کی الوہیت کے سامنے، نیاز کا سر یا اعتراف کا قلب جھکے، اور تمام باطل وخودساختہ معبودوں اور مدعیان جبروت طاقتوں کو ٹھکرا دیا جائے، خواہ یہ آواز چھوٹی

سے بلند کی جائے، یا تخت ہائے شہنشاہی سے۔ اور یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بنائیں۔ وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ

قرآن کی بولی میں رب بنا لینے کا کیا مطلب ہے؟ میں خود نہیں اللہ کے رسول نے اس کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اور جو مراد لیا ہے میں اس کو تمہیں بتاؤں گا عدی بن حاتم کی روایت ہے جو پہلے عیسائی تھے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام کے عیسائیوں کے وفد کے ساتھ میں بھی حاضر خدمت ہوا، حضور کے اعتراض پر میں نے عرض کیا کہ یہ بات تو ٹھیک نہیں ہے کہ ہم پادریوں اور راہبوں کو رب بنا لیتے ہیں۔ فرمایا کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ نے تم پر حلال کیا تھا، تمہارے احبار ورہبان نے اپنے نفس کی خاطر، اس کو حرام کر دیا ہے، اور جس چیز کو اللہ نے تم پر حرام ٹھیرایا تھا انہوں نے اپنے لذت چشم وجسم کے لیے حلال کر لیا ہے اور اللہ کے ٹھیرائے ہوئے قانون حلال وحرام کو بالکل بدل ڈالا ہے؟ عدی نے کہا، ہاں یہ تو ٹھیک ہے فرمایا بس یہی مطلب رب بنا لینے کا ہے، ناقص کو کامل سمجھ کر اختیار کر لیا ہے اور یہ اس لئے کہ جو اوصاف ہمیں اللہ کے لئے خاص رکھنے چاہیے تھے وہ انسانی دست وعقل کے ہاتھ میں تسلیم کر لئے گئے۔ ذرا غور تو کرو کیا یہ چیز خود پیغمبر کے بھی صاف وصریح خلاف نہیں ہے؟! اچھا یہ تمام تصرفات جو تم نے دین الٰہی میں کر لی ہیں، کیا اس کی دلیل بھی تمہارے پاس ہے؟ اللہ کے کسی کلام میں، کسی نوشتہ وحی میں، کسی پیغمبر کی تعلیم میں رسولوں کی

کس تبلیغ میں، کہیں سے بھی کوئی دلیل ہمیں دکھاؤ کہ چرچ کے ارباب اختیار نے احکام الٰہی کو نہیں بدلا، بلکہ وہ اُس کی بے چون وچرا تعمیل کر رہے ہیں مگر تم نہیں دکھا سکتے، بلکہ اس کے برخلاف ہزارہا سند و دلیل بتائی جا سکتی ہیں کہ پوپ اور دوسرے احبار و رہبان "ارباب من دون اللہ" کے زعمِ باطل میں نت نیا قانون، فطرت و نیچر و حکم الٰہی کے خلاف وضع کرتے اور امت پر مسلط کرتے رہے ہیں، مگر سر دست میں ان گوشوں میں نہ جاؤں گا۔

بہرحال، چند قدم اور آگے بڑھئے، نتیجہ بہت جلد سامنے آ جائیگا مورخ ازمنۂ وسطیٰ کہتے ہیں کہ چھٹی صدی عیسوی، اصلاحات چرچ کا اور امن عالم و تغیر معتقدات کا زمانہ ہے جس میں، پوپ، شاہ اور عوام کے لیئے قوانین نافذ ہوئے اور اس دور کو نشاۃ ثانیہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اسے موجودہ دور سے بہتر کہتے ہیں۔ لیکن یہ تاریخ کی دہرائی ہوئی اور پامال حقیقت ہے اور جسے میں واقعات و تفاصیل کے ساتھ دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا، تم کالج کے طالب علم ہو تمہارے سامنے لائبریری کی کتابیں موجود رہتی ہیں کسی ایک تاریخ کو اٹھا کر دیکھ لو کیا اس میں مندرج واقعات و حقائق اس کی تائید کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ خونریزی کے حوادث، ظلم کی کہانیوں اور ستم رانیوں کے احوال سے ہر تاریخ بھری پڑی ہے پوپ اور چرچ نے جتنے ستم یہودیوں اور عام باشندگان ملک پر اس وقت توڑے شاید ہی کسی زمانہ میں

الہ ظلم وستم ہوا ہو، اور یہ سب مذہب و اصلاح عقیدہ کے نام پر، اور میں بے سند و بے دلیل نہیں کہتا، بلکہ یہ مورخین یورپ کے قلم کے لکھے ہوئے حقائق ہیں۔

غور کرو، سب سے پہلی دستک کون تھی یورپ کے سامنے علم وعقل نے اصلاح کلیسا یا چرچ ریفارم کے نام سے دیگئی؟ سولہویں صدی عیسوی میں اس بارے میں، لوتھر کی پہلی آواز تھی جو اس راہ میں اٹھی، تمام مورخ متفق ہیں کہ عمل وعلم کی راہ میں لوتھر کی آواز پہلی روشنی تھی جو کینہ کے سیہ کاریوں، ستم رانیوں کے بالمقابل عوام کے سامنے آئی، لیکن دیکھو کہ اس تعلیم کا حاصل کیا ہے؟ لوتھر نے للکارا، دین کی تعلیم کے بارے میں چرچ کا رویہ غدر ہے! اس کو خلش پیدا ہوئی کہ حق کا معیار سچائی کا راستہ کون ہو سکتا ہے، کتاب اللہ یا پوپ کی ذاتی رائے اور اس کے احکام؟

دراصل اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ پوپ نے مغفرت کے پروانے دینے شروع کیے، یعنی جتنی بھی معصیت کریں، کوئی فکر نہیں، جتنا بھی کوئی فسق و فجور، عیش پرستی، نفس پروری کرنا چاہے کرے، لوپ سے مغفرت کے پروانے نقد قیمت دے کر خرید لے، اور فکر عقبیٰ سے آزاد ہو جائے، مغفرت کی یہ نقد تجارت، اتنی بڑھی اور بڑھی ہوئی تھی، جس کی کوئی حد نہ تھی، لاکھوں پونڈ تک کی روزانہ آمدنی پہنچ گئی تھی اور یہ کہنا قطعًا مبالغہ نہیں بلکہ امر واقع ہے کہ گوشہ ہائے ملک میں باقاعدہ

ایجنٹ، پوپ کے پھیل گئے تھے۔ اور انہیں پوپ کے پروانے کے ماتحت ہر قسم کے سفید و سیاہ کا اختیار تھا۔

یکسر نظام عالم درہم برہم ہو گیا تھا۔ احکام و قوانین الٰہی پس پشت ڈال دئے گئے تھے، کلیسے کے ارباب حل و عقد، بست و کشاد اپنی من مانی کارروائیوں کا ایک جال تمام ملک میں بچھائے ہوئے تھے اور داد عیش دے رہے تھے ان کے خود ساختہ قوانین نے ایک اصولی شکل اختیار کر لی تھی، جس کی پابندی ہر متنفس کے لئے لازمی تھی لوتھر نے اسی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، بحث و مناظرہ کی نوبت پہنچی، ارباب کلیسا کے شکنجہ میں تنگ آئے ہوئے لوگوں نے، جن کی تعداد قلیل تھی، لوتھر کا ساتھ دیا، مگر اس طرح کہ خوف و ہراس سے ان کا برا حال تھا خوف بھی ان کا جو زمین پر مظہر خدا ہونے کے مدعی تھے، اختیار کلی کے مالک تھے، پھر ان کے کارپردازوں کا، پھر ان کے متبعین کا بدقسمتی سے جن کی تعداد شمار سے خارج تھی۔

بہر حال بحث یہ تھی کہ احکام کس کے قابل قبول ہیں؟ چرچ کے یا انجیل کے؟ لوتھر نے کہا نہیں ہم اللہ، اس کی کتاب اس کے رسولؐ کے زبان کی فرمانبرداری کے مکلف ہیں، ایمان یہی ہے، خدا اور اس کے رسول کے مان لینے کے معنی یہی ہیں، کسی انسانی رائے کو خواہ وہ انسان کتنا ہی عظیم المرتبت کیوں نہ ہو اگر صاحب وحی نہیں ہے تو اس کا کوئی درجہ ماننے کے لئے تیار نہیں، ہمارا اعتقاد اللہ اور اللہ کی کتاب

پر ہے، اور عقلاً ہونا بھی چاہئے کینسہ اور کینسہ پرستوں میں ایک
جذبہ عام کے اندر لوتھر کی یہ تقریر آگ کا کام کر گئی نطے کر لیا گیا کہ اس
نئی دعوت اصلاح کو پامال کرنا چاہئے، خون بہا، اور بے شمار کینسہ کی
تلواریں کھچ گئیں اور ادنیٰ اشتباہ پر لوگوں کی زندگی موت سے تبدیل
ہو گئی۔ سر قلم ہوئے، گھر کے گھر برباد کر دئے گئے۔ بستیاں کی بستیاں
ویران ... کر دی گئیں۔ تاہم، تاریخ کی حقیقت سے انکار نہیں
کیا جا سکتا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ارباب کینسہ کے ظلم و جبر کے باوجود
مصلح لوتھر کی دعوت پامال نہ کی جا سکی، مخالفت و شرارت کے
باوجود یہ صدا اٹھی، بلند ہوئی اور پھیلی، تا آنکہ تقریباً نصف مسیحی دنیا
پر چھا گئی۔

لیکن سوال سولھویں صدی عیسوی، اور ساتویں صدی عیسوی
کا ہے جبکہ یہ اصلاح و دعوت پھر فنا ہو گئی تھی شہنشاہ لوئی، اور
نوربین نے کینسہ کے اختیار میں سب کچھ دیدیا تھا، اور ہر طرف پوپ چرچ
کا دور دورہ تھا، ظلم و شرارت، طغیانی و سرکشی اپنی ہولناکیوں اور
ہوسناکیوں کے ساتھ پھیل پڑی تھی۔ کہ ناگاہ صحرائے عرب کے دامن
سے ایک مصلح کی آواز بلند ہوتی ہے یہ پکار محمد بن عبد اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی صدا تھی، یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا
و بینکم ان لا نعبد الا اللّٰہ ہ دراصل محمدؐ الرسول اللہ کی یہ صدا جو
اللہ کی آواز، اس کی تائید نصرت کے ساتھ بلند ہوئی تھی رافت نبوی و

رحمت الٰہی کا ایک اعلان عام تھا بے چین و مضطر دنیا کے لئے ایک پیام امن تھا، اشرار کے لئے ایک طبل جنگ تھا۔ مسیحی دنیا میں ایک برگزیدہ کی دعا اور دوسرے مقرب کی بشارت کے ظہور کی نشانی تھی۔ قبول عام بڑھ بڑھ کر قدم لیتی ہے، حقانیت و سچائی کے متلاشی جوق در جوق آتے ہیں، تسکین وتشفی ہوتی ہے، خیالات میں، اعتقادات میں تبدیلی ہوتی ہے، سعید ارواح پرچم نبوی کے نیچے جمع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا کی شان متشکل ہوتی ہے۔ ذات نبوی کا ظہور، قرآن کا نزول اپنے جلووں کی تابانی سے مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب، کوہ صحرا، دشت وجبل منور ہو رہے ہیں۔ عجب ساعت ہے، عجب عہد سعادت ہے، عجیب خیر و برکت، امن امان کا دور دورہ ہے، جان محفوظ، مال محفوظ، عزت محفوظ آبرو محفوظ۔

خونخوار و باطل پرست یا سایۂ رحمت میں آگئے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ امن و آسائش کی لپائی ہوئی یہ نئی دنیا جس ذات کی رہین منت ہے، اس کا نام محمد الرسول اللہ ہے اور تنہا میں نہیں کہتا۔ اپنی طرف سے نہیں کہتا، تاریخ عالم کی اور بے مہر تاریخ عالم کی مسلمہ و مصدقہ حقیقت بیان کرتا ہوں، جس کو بیگانوں اور اغیار نے بھی مانا و تسلیم کیا ہے، ایک گوشہ اس سلسلہ میں تاریخ کا اور آپ کے سامنے بے نقاب کردوں کہ موجودہ مسیحی دنیا انجیل کو، اور موسائی توراۃ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سبب سے نوع انسانی کے

تہذیب و تمدن امن و ایمان سے آشنا بنانے کا، حالانکہ ان کے اپنوں تک کی تاریخ ان کے اس قول کی تصدیق نہیں کرتی، جس کا ایک نمونہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں، مزید توضیح کا نہ عذبہ حامل ہے، نہ وقت مقتضی نہ میری صحت کی اجازت اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے افق پر بجز دست محمدی کے نہ کوئی دوسرا ہاتھ تھا۔

ہندوستان:۔ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے ہندوستان ایک قدیم تمدن کا گہوارہ ملک ہے اس کی تمدن و تہذیب کی اولیت دعروج تاریخی عالم کے نزدیک تمام ممالک آباد و سطح ارضی سے ممتاز اور سابقون داہلوں میں شمار رہے، تاریخ نے اس کے حالات کو جب سے احاطہ کیا ہے اس کے دور اول پر جو روشنی پڑتی ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمنی رسم و رواج و طریق حکمرانی تھا، نظم و نسق، عزل و نصب برہمن مدبرین و پیشوان دین کے ہاتھوں رہا۔ اس تہذیب و تمدن کے آثار اب بھی بعض مقامات سے ظاہر ہیں۔ بعض کتابوں میں درج ہیں اور متعدد زبانوں پر جاری۔ برہمنی تہذیب کو جب زوال آیا تو گوتم بدھ کی تعلیمات اور اس کا مذہب، ملک و مذہب پر غالب آیا اور تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔ ابھی یہ تہذیب و تعلیم اپنے پاؤں مضبوط نہ کر سکی تھی کہ پھر انقلاب ہوا، کشت و خون کا بازار گرم ہوا اور دار و گیر رسن و زنجیر کی ہنگامہ آرائی مدت تک رہی۔ بالآخر یہ بلوہ ایک نئے مذہب و نئی تہذیب کے جنم پر منتج ہوئی، جو برہمنی دور کی ایک ترقی یافتہ

تحریک و تعلیم تھی۔ یہ تحریک شنکر اچاریہ کی تحریک تھی اور ان کا ظہور دکن میں ساتویں صدی عیسوی میں ٹھیک اس وقت ہوا جو اسلام کے ظہور کا زمانہ تھا۔

اس تعلیم نے بھی برہمنی قوانین کے مطابق تقسیم ذات کو تسلیم کرلیا نوع انسانی کی اس تقسیم پر، جو بالکل غیر فطری و غیر قدرتی تقسیم تھی، اقوام و افراد میں برتری و تفوق کا مُردہ تخیل پھر عود کر آیا، نسلی امتیاز اصلی اور عملی اعزاز بے اصل و بے قدر ہوگیا، حالانکہ شرف و خصوصیت، عمل پر موقوف ہے، نسل و غرور نسل کوئی چیز نہیں۔ بخلاف اس کے اسلام نے اعلان کیا ہے کہ جسمانی و روحانی اوج و عروج عمل پر منحصر ہے، نسل کی کوئی گنتی نہیں۔ عمل میں جو شخص یا جماعت جتنا پاکباز ہے اس کا درجہ بھی اتنا ہی بلند و بالا ہے اِعملوا آل داؤد، اس کی طرف اشارہ ہے اور ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اس پر ایک مہر تصدیق۔

بہرحال فطری حقیقت کے خلاف اس تعلیم نے ذات پات ... (Caste System) کو اپنے یہاں جائز تسلیم کیا اور بنیادی عقیدہ کے طور پر داخل مذہب تفریق نسل و تقسیم ذات کے اس منظر کو سامنے لاؤ، اور اس کا خلاصہ نکالو، خلاصہ یہ نکلا کہ تقسیم ذات جس نے اب غلو کر کے عصبیت کا درجہ لے لیا ہے، غرور نسل کے نتیجہ، افتراق و انشقاق پر منتج ہوئی ہے، وہ ابتداً پیشوں کی تقسیم اور عمل کے بنا پر ممکن ہے کہ پیدا ہوئی ہو۔ ایک عمل لڑائی کا ایک عمل تجارت کا ایک

عمل نچلے کاموں کا، یہ تقسیم گویا ایک بہت زیادہ گہری، اعتقادی نیت پر تھی حالانکہ دنیا نے کہیں اپنے اصول، دنیاوی امور کے لئے کبھی نہیں وضع کئے، مذہب تو ایک بالاتر اعتقادی اور روحانی چیز تھی۔ پھر ان کی ایک ایسی بھی جماعت پیدا ہوئی جس نے معاشرتی و دینی اصلاح کے سلسلے میں تناسخ کا عقیدہ قائم کیا۔

تناسخ کیا ہے؟ بار بار آنے کا عقیدہ، کیوں اور کس طرح؟ اپنے کرم کے اعتبار سے، عذاب کے طور پر ان مختلف جسم میں جس میں حیوانات اور نجس و ناپاک جانور بھی شامل ہیں، مرنے کے بعد اس کی روح جنم لیتی رہے۔ عذاب و ثواب کے بارے میں یہ ان کی بنیادی اینٹ تھی۔ کرم اچھے ہوتے ہیں تو کسی اچھے جسم کے لئے اچھا جانور منتخب ہوتا ہے، بلحاظ عہدہ جو خاندان اونچا ہے، اس میں منتقل کر دیا جاتا ہے راجہ ہو سکتا ہے برہمن ہو جا سکتا ہے۔ یہ اس کی معراج اور حد کمال ہے اگر اس کی ساری عمر پاپوں میں بسر ہوئی ہے تو اسے شودر و نیچے قوم میں جنم لے گا اگر معصیت اس سے زیادہ ہے، تو نجس جانوروں تک میں اس کو داخل ہونا پڑیگا ان کا یہ اعتقادی اصول، جزا و سزا کا تقرر کسی بہت ہی گہرے لیکن گمراہ خود غرض نے ایجاد کیا۔ مزید جسارت بھی اس درجہ کی کہ کہہ دیا کہ یہ خدائی اصول ہیں اور فطرت نے ان پر مہر لگا دی ہے۔

یہی وہ ناقابل فہم و ناقابل تسلیم اصول و ضابطہ، مذہب ہے، جس کے خلاف حال میں ڈاکٹر امبیدکار نے آواز بلند کی ہے۔ ڈاکٹر

امبیدکار ایک تعلیم یافتہ اور روشن دماغ مدبر و مفکر ہے اس نے سمجھ لیا کہ جو اصول اور اصول بھی وہ جو مذہب کے نام پر وضع کئے گئے ہوں، ہرگز مذہبی، بنیادی اصول ہو ہی نہیں سکتے، نہ فطرت کی ایسی تعلیم ہو سکتی ہے، نہ فطرت کا یہ منشا ہے، یہ یقیناً انسانی تقسیم ہے اور خود غرض انسانوں کا وضع کردہ، غلط در غلط ضابطہ، تفوق پسندی و قانونی حکمرانی، ڈاکٹر امبیدکار کے اس اعلان عام نے ہندو دنیا میں جو کرب و اضطراب پیدا کر دیا ہے، وہ کسی پر پوشیدہ نہیں اور نفس و غرض کے بندوں کو اس اعلان پر حواس باختہ ہونا بھی چاہیے مدت مدید سے جس قوم نے ایک طبقہ انسانی کو غلام اور بندۂ بے اختیار بنا رکھا ہو ان میں بیداری پیدا کر کے انہیں اپنی قیمت و قدر کا احساس پیدا کرنا، جرم ہی ایسا ہے جسے کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بحیثیت قائد قوم و پست اقوام کے نمائندہ کے ڈاکٹر امبیدکار کا یہ اعلان رنگ لائے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ ہندوستان میں تاریخ انسانیت کا یہ انقلاب یقیناً اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک اہم انقلاب ہو گا۔ اگر ڈاکٹر امبیدکار کے استقلال نے نوع انسانی کے پاؤں سے غلامی و پستی کی اس بوجھل زنجیر کو کاٹ ڈالا۔ مگر صحیح طور پر تاریخ کی روشنی میں کوئی عہد و زمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ یقینی ہے کہ چھوت چھات و ذات پات کی اس ایجاد کا ذمہ دار برہمن ہے

بیسویں صدی کے یہ اعلان کہ ہر انسان، انسان ہے اور خدا نے ترقی کا دروازہ ہر شخص پر برابر کھول دیا ہے، تقریباً نصف صدی یعنی گذشتہ پچاس برس سے ہے۔ جو مختلف گوشوں، مختلف پلیٹ فارموں سے وقتاً فوقتاً

اٹھتی رہی ہے۔ بلاشبہ اصلاح عقیدہ میں ان کی بعض کوشش نہایت قیمتی ہے لیکن شودر کے لئے عام مجرمانہ خاموشی بدستور قائم ہے، پس اس لحاظ سے یہ کوشش بھی بے سود ہے، اس سے کیا ہوتا ہے، بنیاد پر جو مہر ہو چکی ہے، اس کو کوئی بنائے۔

ہندو مت کا یہ اعتقاد کہ ہمارے مذہبی اصول پر فطری مہر لگ چکی ہے اصل زمانہ اس نشو ونما کا کیا ہے؟ ٹھیک وہی جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے۔ پیروان بدھ بھی تناسخ کے قائل ہیں۔ پس مسئلہ تناسخ جب تک بال برابر موجود ہے وہ نہیں مٹ سکتے۔ نہ اُن کی اصلاحی کوئی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے تا آنکہ انسان کا درجہ بحیثیت ایک انسان کے آزاد و برابر نہ تسلیم کر لیا جائے اور نوع انسانی میں پستی و بلندی، اونچ نیچ کی تقسیم کو اٹھا نہ دیا جائے، ترقی کی راہوں کو ہر شخص پر کھلی ہوئی تسلیم نہ کر لیا جائے۔ پس گویا اسلام کے نمود کے وقت ہندوستان بھی گوناگوں سختیوں اور حکمرانہ بندیوں میں مبتلا تھا اپنی ساری سختیوں کے ساتھ ہندوستان میں تاریخ کی ابھری ہوئی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں ظلم وتعصب تنگدلی، مذہبی گمراہی کیوجہ سے نوع انسانی پر سب سے گہری ضرب کون سی لگائی گئی؟ تاریخ انسانیت پر زبردست انقلابی و اصلاحی کیفیت کب ثبت ہوئی؟ ایک انسان کا درجہ بحیثیت انسان دوسرے انسان کے برابر کب تسلیم کیا گیا؟ تب جبکہ محمد الرسول اللہ نے اعلان فرمایا:-

یا ایھا الناس، انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفو

اپنی پیدائش و خلقت کے اعتبار سے نسل انسانی ایک ہے، کسی کو کسی پر کسی قسم کی کوئی ترجیح نہیں۔ البتہ شعوب و قبائل میں تقسیم اس لئے کردئے گئے ہو کہ تمہاری شناخت ہوسکے۔ کیسی شناخت، صرف یہ کہ یہ شخص ہندی ہے یہ مصری ہے، یہ یورپین ہے، باقی رہا یہ کہ کسی انسان کو اپنے نسل پر دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں فخر و غرور ہو تو یہ منشائے فطرت نہیں گمراہی ہے، ضلالت ہے، اس کی تردید بھی فرمادی۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ط ذاتی وجاہت و نسلی غرور کوئی چیز نہیں، تم میں سب سے زیادہ معزز و مکرم وہ ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ راست باز و پاک باز ہے کوئی قید نہیں، کوئی تخصیص نہیں کہ کون خصوصیت کے ساتھ اعزاز و اکرام کا مستحق ہوگا: الا وہ کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ راستباز، اور اپنے عمل میں پاکباز ہے۔

پس جتھوں اور گروہوں کی تقسیم اس بنا پر ہے، لتعارفوا کس ملک و خطہ کا باشندہ ہے؟ اس لئے نہیں کہ شدر و برہمن کا امتیاز ہو اس کی نسل فلاں ہے، اس کی نسل فلاں، اس پہچان کے واسطے یہ ذاتی امتیاز کیوں ہو۔ کیا ان امتیاز کے بنا پر کسی کو حقیقت مل جاتی ہے؟ نہیں، ایک منٹ کے لئے نہیں۔ بزرگی اور امتیاز کس انسان کے حصہ میں آئی ایک اور صرف ایک، اس انسان کے حصہ میں جو عند اللہ اتقاکم کے ماتحت آگیا ہو۔

اب ہمیں وہ گہرائیاں دیکھنا چاہئے، جو اس حکم وحقیقی فطری تقسیم

یں مضمر ہے' خود عرب کا ظہور اسلام کے وقت کیا حال تھا' عرب کی سرزمین عرب جاہلیت کا اتنا گھمنڈ تھا کہ ایک ایک بچہ کو دعوئے فضیلت و تمکنت خاندان تھا کہ ہم شرافت و بصالت کے پیکر اور اصیل ترین نسل و خاندان کے افراد ہیں' انہیں غرور نسلی میں اس درجہ غلو تھا کہ اظہار حال و بیان حقیقت کے لئے گڑے ہوئے مردے قبروں سے اکھاڑ کر فخریہ بوسیدہ ہڈیاں کے نمونشہیرسے بھی باز نہ رہتے تھے۔ اسی قسم کے اور صدہا نسلی غرور کی مثالیں مستند تواریخ کے اوراق میں آج بھی موجود و محفوظ ہیں وقت نہیں ہے' ورنہ ہیں ان پر زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالتا۔ عقلی و نسلی فخر و غرور کا یہ عالم تھا کہ ایک معمولی بات پر پچیس برس تک خونریزی و خونخواری کا میدان گرم رہا۔ مرتے وقت لوگ اس بارے میں وصیت تک کر جاتے ہیں۔

قرآن کے اس اعلان پر ان کی ذہنیت' ان کی نسلی غرور' ان کے طبعی نقائص' وحشت و درندگی کا اندازہ کر لیا جا سکتا ہے اور ان کی تمدنی معاشرتی و مذہبی ہر قسم کی زندگی بآسانی سمجھ لی جا سکتی ہے جب ان کے اعمال کے پیش نظر صاحب وحی نے کیا:-

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا ط و کنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا ط

قرآن' تاریخ یا قصہ کی کتاب نہیں' وہ واقعہ بیان کرتا ہے مگر اشارۃً اس لئے بھی کہ عرب کا ہر فرد تاریخ عرب کی ایک مجلد کتاب تھا۔

ذرا سا اشارہ انہیں حالات و معاملات معلوم کرانے کے لئے کافی تھا۔ جنہیں فہم قرآن بخشا گیا ہے ان کے لئے بھی اتنا اشارہ عرب کی پوری تاریخ پیش کر دیتا ہے۔

لیکن بعثت محمد الرسول اللہ و نزول قرآن کے بعد انہیں عرب کا کیا حال تھا قلب بدل گئے تھی ماہیت بدل گئی تھی، وہیئت بدل گئی تھی، یکسر انقلاب ہو گیا تھا، یکسر انسان بن گئے تھے، اور اس تبدیلی و انقلاب کے بارے میں اکابر عرب کے اقوال مختلف تواریخی کتابوں میں آج بھی محفوظ ہیں، دیکھے جاتے ہیں، اور دیکھے جا سکتے ہیں۔ غضب و قزاقی کے خوگر، عرب، انقلاب کے بعد ایسے انسان و نمونہ انسانیت بن گئے تھے کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں، غلاموں، اور غلام زادوں کے نام اپنے ترکہ کی وصیت کرتے تھے، یا اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ انہیں بھی ترکہ میں حصہ دیتے تھے۔

ابوبکر صدیق۔ ان کی شرافت و نجابت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، اشراف عرب، اصیل قریش، نسلی غرور، کر سکتے تھے، ایک منٹ کے لئے بھی یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ یہ کس کی رکاب پکڑ کر چلنے والے لوگ ہیں مگر یہ تاریخ کی ایک دہرائی ہوئی حقیقت ہے اور تہذیب جدید بھی جس سے انکار نہ کر سکی کہ حضرت اسامہ سالار لشکر بن کر جب احاطہ شہر سے نکلتے ہیں۔ تو دور تک آپ ان کے گھوڑے کی رکاب تھامے ہوئے انہیں دور تک سمجھائے چلے گئے اور وہ بار بار معذرت کرتے رہے لیکن آپ کے ضمیر اور حقیقی صحبت نبوی سے مجلیٰ قلب آمادہ نہ ہو سکا کہ ان کی معذرت

کو قبول کیا جائے۔

مسلمان بن اسلام کی کیفیت مورخین نے جو کچھ تاریخ میں قلمبند کر کے خلف کے لیے چھوڑا ہے، دیدۂ عبرت کے لئے ہمیشہ سبق آموز رہے گا۔ بلال حبشی سے اکناف عالم میں بسنے والوں سے کون واقف نہیں۔ کیا ان کا حال و مقام ہمارے درس عبرت کے لئے کافی نہیں؟ ایک حبشی اسود، سیاہ فام لیکن مقام کیا تھا؟ صحابہ کرام خوشامد کے ساتھ ان سے عرض کرتے تھے کہ اذان دے کر ہمارے دلوں کو خوش کرو۔ حضرت عمر جیسا جلالی خلیفہ اور محترم ترین صحابی رسول اللہؐ جن کے عدل، دانش و تدبر کو اقوام عالم سے خراج تحسین حاصل کیا۔ ان کی ذات پر فخر کرتے تھے اور انہیں "سیدنا" کے لقب سے یاد کر کے خوش ہوتے اور فخر کرتے تھے۔ حضرت صہیب رومی کا حال کس نے نہیں سنا؟

بہرحال، ہر ولایت و ملک کے لوگ جو معلّم اخلاق و انسانیت کے دربار میں پہنچا، انسان بن گیا۔ ہے کوئی انسان تاریخ انسانیت میں موجود! جس کو مثال کے طور پر بھی، اس انسانیت کبریٰ پر فائز انسان کامل کے سامنے لایا جا سکے؟ تاریخ اس کے جواب و مثال سے آج تک قاصر ہے اور قاصر رہے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ نے ہیبت و دبدبہ رعب و جلال والی سیکڑوں ہستیاں اور ان کے کارنامے اپنے صفحات میں محفوظ رکھے ہیں، مگر انسان کامل، جو ایک طرف شہنشاہ تو دوسری طرف بوریہ نشین مسکین، ایک طرف فوجی جرنل و قائد تو دوسری طرف داعی امن و

سلامتی انسان، صفحۂ ہستی پر ہویدا نہیں کیا، نہ زمانے نے پیدا کیا ہے۔
نسلی عقوبت کا پیکر خاک، دوسروں کے جان و مال، عزت و آبرو کا پاسبان بن جائے، وہ، یا ظلم و استبداد سے اقوام کے گلے میں غلامی کا طوق، اور ان کی پیٹھ پر پابندیوں کا بوجھ ڈال کر سر ضرور فخر سے بلند کرنے والا، دونوں میں کون افضل ہے؟ تاریخ کا فیصلہ موجود ہے، میرے کہنے کی ضرورت نہیں، جس قوم کا وطیرہ قتل و غارت ہو، فخر و غرور ہو، اس میں یہ انقلاب ایام ہو جائے کہ قریشی ہاتھ باندھ کر پیچھے کھڑا ہو، اور غلام قوم کا ایک فرد ان کا امام ہو۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ کی روایت ہے اگر زید زندہ ہوتے تو خلافت میرے باپ کے بجائے انہیں ملتی مسلم کی حدیث میں محمد الرسول اللہ کی ایک دعا ضبط تحریر میں آئی ہے آپ کی زبان مبارک پر جو رات کو پچھلے پہر اکثر جاری رہتی تھی کہ:۔

"اللھم انا نسئلک الخ

نہ تفرقہ ہے، نہ پارٹی، جتھہ بندی ہے نہ گروہ پسندی بس اسلام ملت ہے، اللہ کی بندگی ہے، اور رسول کی اطاعت ہر مسلمان ہر انسان کا بھائی بھائی ہے، "ان العباد کلھم اخوان" کوئی انسان بحیثیت انسان کے اچھوت نہیں ہے، اعمال کیسے ہوں، عقیدے کیسے ہوں، بحث یہ ہے ناپاکی جسم میں نہیں ہے، عقیدے میں ہوتی ہے جسم ہر انسان کا پاک ہے۔
تاریخ و اقوام عالم کی اجمالی کیفیت اور ساتویں صدی تک کے وہ تمام بوجھ وہ نوع انسانی کے پیٹھ پر ڈال دیے گئے تھے اور ظہور اسلام

کے بعد کی دنیا کا حال مختصراً آپ نے سن لیا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ رحمت تھے، نشان رحمت آلٰہی اور سبب رحمت ایزدی تھے۔

ساتویں صدی میں نوع انسانی کی حالت آپ سن چکے، تہذیب سلطنت، کا حال معلوم کر چکے، کلیسائی احکام، پاپائی نظام، رومہ کی سطوت، ہندی احکام و قوانین، رسم و رواج، پابندی ذکر طبقہ بندی دیکھ لیا فیصلہ یہ ہوگا کہ نسل انسان یکسر گرفتار بلا و معذب تھے۔ عقل گرفتار، جسم گرفتار، غاصبانہ ذہنیت، غلامانہ عقیدت، جسم میں ظالمانہ شرارت، روح میں بزدلانہ خباثت، بادشاہوں اور مذہبی مسندوں نے طرح طرح کی عقوبتیں ڈال رکھی تھیں۔ پس بحالات این، تاریخ کا بے لاگ، اٹل، بے پناہ فیصلہ یہی ہوگا اور ہے کہ نوع انسانی عذاب و ذلت کے عذاب میں گرفتار تھی۔

غیرت خداوندی جوش میں آتی ہے، آیۂ رحمت بن کر محمد الرسول اللہ کا ظہور ہوتا ہے عیسائی و موسائی سب کو پیام رحمت ملتا ہے، انقلاب ہوتا ہے، دنیا بدلتی ہے۔ کل جو سورج نسل انسان پر ایک نئے ظلم کی خبر لاتا تھا، آج اس کی ہر شعاع و امن انسان کو امن و راحت رافت و رحمت سے مالا مال کر رہی ہے غلامی کی بیڑیاں کٹ جاتی ہیں، پیٹھ کا بوجھ گر جاتا ہے، ذہنی بندشیں اور فکری بندھن ٹوٹ جاتے ہیں، نسل انسان ہر قسم کے ظلم و عذاب سے نجات پاتی اور ہر قسم کی جتھہ بندی، نسلی غرور و ذاتی وجاہت کی حکر بندیوں سے نجات پا کر بھائی بھائی بن جاتی

ہے۔ مشرق و مغرب میں بجز اس نعرہ کے اور کچھ نہیں سنا جاتا کہ :۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ الرَّحِيمٌ ۝

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۝

وقت کے چند تاثرات

وذکر فان الذکری تنفع المومنین

حور و جنت جلوہ برزاہد دہد در راہ دوست ؛ اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

از امام الہند حضرت مولانا ابو الکلام آزاد مد ظلہ تعالیٰ

دن کی روشنی میں آدمی کتنا ہی روشنی سے بچنا چاہے لیکن روشنی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی وہ مکان کے دروازے بند کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے اب روشنی کو راہ نہ ملے گی لیکن انہی دروازوں میں کوئی نہ کوئی ڈرار نکل آتی ہے اور روشنی کی کرنیں جھانکنے لگتی ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے، اس لئے کہ روشنی حقیقت ہے اور حقیقت سے کتنا ہی منھ چھپانا چاہو لیکن وہ سامنے آکھڑی ہوگی۔

یہی حال آجکل مسلمانوں کا ہے وہ حقیقت کی روشنی میں آنا پسند نہیں کرتے لیکن حقیقت ان کا پیچھا کب چھوڑنے والی ہے؟ وہ کچھ عرصہ تک بند دروازوں میں بیٹھ کر سمجھنے لگتے ہیں اب اندھیرا ہی اندھیرا ہے لیکن جب پھر بھی روشنی کہیں نہ کہیں سے راہ نکال لیتی ہے تو اچانک چونک اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں ایک نئی بات ظہور میں آگئی، حالانکہ نئی بات تو کوئی بھی نہیں ہوئی وہی سورج اب بھی چمک رہا ہے جو صبح سے چمکنا شروع ہوا تھا۔

جب نئے دستور کے ماتحت انتخابات کا موقع آیا اور کانگریس نے فیصلہ کیا کہ انتخابات میں حصہ لے گی تو یہ بات ہر واقف حال انسان کو

سمجھ لینی تھی کہ اس اقدام کا لازمی نتیجہ کیا نکلے گا۔ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں تین صوبے ایسے ہیں جہاں بہ حالت موجودہ کانگرس اکثریت حاصل نہیں کرسکتی۔ بنگال پنجاب اور سندھ، ان صوبوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور جب تک وہاں کے مسلمان کانگرس میں شریک نہ ہوجائیں کانگریس کے امیدواروں کی کامیابی مشتبہ ہی رہے گی یہی وجہ ہے کہ جب مرکزی بورڈ کے سامنے ان صوبوں کا معاملہ پیش ہوا تو میں نے اس کی مخالفت کی کہ مسلمان امیدوار کھڑے کیے جائیں اور بورڈ نے یہی رائے اختیار کرلی لیکن باقی صوبوں میں کانگرس کی کامیابی قطعی تھی اور صورت حال کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ قطعی ہو مگر مسلمانوں میں ایک بڑے طبقہ نے اتنی واضح بات بھی سمجھنی نہ چاہی۔ انہوں نے طرح طرح کے غلط اندازے لگائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب انتخابات کے اعداد شائع ہوئے صورت حال نے انہیں متحیر کردیا وہ اس طرح چونک اٹھے، جیسے کوئی خلاف توقع بات ظہور میں آگئی ہو۔ انہیں اب ایک نئی بات معلوم ہوگئی یہ نئی بات کہ ملک کی سیاسی بیداری اس سے کہیں زیادہ گہری اور وسیع ہے جتنی انہوں نے سمجھ رکھی تھی اور کانگرس ان صوبوں میں صرف اکثریت ہی نہیں لاسکتی بلکہ بہت زیادہ اکثریت لاسکتی ہے۔

یہ ان کے لئے ایک انکشاف ہوا حالانکہ یہ کوئی انکشاف نہیں ایک معلوم اور متوقع حقیقت کا ظہور ہے یہ توقع سے زیادہ نہیں ہے۔ بلکہ کئی اعتبار سے کم ہے بمبئی میں کانگرس کو جتنی اکثریت مل سکتی تھی بعض مقامی غلطیوں کی وجہ سے نہیں ملی۔ صوبہ سرحد کے کارکنوں کے لئے پہلا

تجربہ تھا۔ اس لئے بہتر طریقہ پر کام نہ ہو سکا۔ آسام میں خالص اکثریت مل سکتی تھی لیکن اس طرف توجہ نہیں کی جا سکی اگر اب دوبارہ انتخاب کا موقع آئے تو یقیناً نتائج اس سے کہیں زیادہ کامیاب نکلیں گے، جتنے اس مرتبہ نکل چکے ہیں۔

میں چاہتا ہوں اُن تمام لوگوں کو جو صورت حال میں ایک غیر متوقع انکشاف دیکھ رہے ہیں صورت حال کے صحیح مطالعہ کی دعوت دوں میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ ادھر چند مہینوں کے اندر ہندوستان میں کوئی نئی بات نمودار نہیں ہو گئی ہے اور نہ چند مہینوں کے اندر ہندوستان کا آسمان و زمین بدل سکتا ہے، جو کچھ ہو رہا ہے یہ گذشتہ نصف صدی کے رفتار حالات کا قدرتی نتیجہ ہے اور اس میں اہل نظر کے لئے اچنبھے کی کوئی بات نہیں البتہ اگر وہ چاہیں تو اب ایک نئی بات ضرور ظہور میں آ سکتی ہے لیکن اس کے لئے انہیں اور کسی طرف نہیں دیکھنا چاہیے خود اپنی طرف دیکھنا چاہیے ان اگر انہوں نے اپنی پرانی غفلت کو نئی بیداری سے بدل لیا تو یقیناً ہندوستان کا آسمان و زمین بھی ان کے لئے فوراً بدل جائے گا یہاں زندگی اور عمل کے ہر گوشے میں خدا کا یہی قانون کام کر رہا ہے دنیا بہت پرانی ہے اور وہ کبھی ایسا نہیں کرتی کہ ہماری خاطر اپنی پرانی صورت بدل دے لیکن جب کبھی ہم بدل جاتے ہیں تو اسے بھی بدل جانے پر مجبور ہو جانا پڑتا ہے سنۃ اللّٰہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا۔

۴

انتخابات کے نتائج میں مسلمانوں نے صرف کانگرس کی کامیابی ہی نہیں،

دیکھ لی۔ بلکہ ایک دوسری حقیقت بھی دیکھ لی یہ ہمیشہ ان کے سامنے آتی رہتی تھی مگر وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ کامیابی کی اس بلندی کے ساتھ ناکامی کی ایک دوسری پستی بھی موجود ہے اور وہ ان کے حصہ میں آئی ہے انہوں نے کانگرس کی جدوجہد کا میدان صرف ہندوؤں کے لئے چھوڑ دیا۔ کانگرس کہتی رہی کہ وہ صرف ہندوؤں کے لئے نہیں ہے، مگر یہ کہتے رہے "نہیں صرف ہندوؤں ہی کے لئے ہے۔ نتیجہ اب ان کے سامنے تھا ایک طرف سعی و عمل کی زندگی ہے، عشق مقصد کا دلولہ ہے، جدوجہد کا نظام ہے، طریق کار کی ہم آہنگی ہے دوسری طرف کچھ بھی نہیں ہے اور اگر کچھ ہے تو معطل اور بے عملی کا سناٹا ہے، یا مخفی اغراض و مطامع کا ہنگامہ

اے خوں شدہ دل! تو تو کسی کام نہ آیا ؛ گلگونۂ عارض ہے نہ ہے رنگ حنا تو

وقت کے اس فوری تاثر کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تعطل وجمود کی چبھن محسوس ہونے لگی ہے اور کانگرس کی شرکت اور عدم شرکت کا سوال از سر نو ان کے سامنے آگیا ہے مختلف سمتوں سے یہ صدائیں اٹھ رہی ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت کانگرس سے الگ کیوں رہے! کیوں نہ مسلمان زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہو جائیں۔

ہندوستان میں شاید ہی کوئی انسان مجھ سے زیادہ اس بات کا خواہشمند ہوگا کہ مسلمان کانگرس میں شریک ہوں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوں، میں نے ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کو اس کی دعوت دی جب وہ سیاسی جدوجہد

کی پرچھائیں سے بھی دور رہنا چاہتے تھے اور آج بھی کہ کامل پچیس برس کی مدت گذر چکی ہے میرے فکر و عمل کی جگہ ٹھیک ٹھیک وہی ہے جو ۱۹۱۲ء میں تھی لیکن میں ان تمام لوگوں کو جو حال کے واقعات سے متنبہ ہوئے ہیں، توجہ دلاؤں گا کہ معاملہ کو محض کسی وقتی صورت حال سے متاثر ہو کر نہ دیکھیں بلکہ اسکی اصلی اور دائمی نوعیت پر غور کریں مسلمانوں کو اگر کانگریس میں شریک ہونا چاہیئے تو صرف اس لئے کہ ادائے فرض کا غیر مشروط تقاضا یہی ہے اس لئے نہیں کہ کسی خاص الکشن میں وہ بہت زیادہ کامیاب ہو گئی ہے۔ اس طرح کے وقتی تاثرات پر فیصلہ و اقدام کی کوئی مضبوط عمارت نہیں اٹھائی جا سکتی کانگریس چھ صوبوں کے الکشن میں کامیاب ہوئی ہے اور آئندہ اس سے بھی زیادہ کامیاب ہوگی، ملک روز بروز بیدار ہو رہا ہے اور وہ ملک کی بیداری کی علمدار ہے لیکن مسلمانوں کو جو فیصلہ کرنا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ گہرا ہے کہ کوئی وقتی صورت حال اسے ترتیب دے سکے فرض کر دیہ الکشن والا معاملہ پیش نہ آتا پھر کیا ان کے لئے ادائے فرض کے تقاضا میں کوئی کشش نہ ہوتی؟ وہ ۱۹۲۱ء میں جوق جوق شریک ہو گئے تھے۔ بلاشبہ اسوقت زندگی کے معاملہ کی کشش تھی تاہم کانگریس میدان میں اتر رہی تھی میدان کی کوئی فتحمندی تو ابھی اسے حاصل نہیں ہوئی تھی؟ ۱۹۲۱ء سے لے کر آج تک کتنے ہی اتار چڑھاؤ ہو چکے تاہم مسلمانوں کی ایک خاص تعداد برابر شریک رہی اور اب بھی شریک ہے اس کی شرکت کے لئے کونسا واقعہ معین کیا جائے گا؟ مسلمانوں کو جو فیصلہ بھی کرنا ہے اور جب بھی کرنا ہے صرف

ادائے فرض ہی کی بنا پر کرنا ہے۔ ادائے فرض کا ایسا فیصلہ جس کی بنیاد خود اعتمادی کے یقین سے بنی ہو اور جس کی سطح پر عزت وہمت کا اعلان ہو۔ وہ کسی سے مرعوب ہوکر کیوں ادھر اُدھر دیکھنے لگے؟ وہ کسی طاقت سے اندیشہ ناک ہوکر کیوں قدم اٹھانے لگے؟ ایسا فیصلہ جو خود اعتمادی کے یقین اور ادائے فرض کے عزم سے خالی ہو، فیصلہ نہیں ہوگا، کوئی دوسری ہی چیز ہوگی اور مسلمانوں کو جس چیز کی ضرورت ہے، وہ فیصلہ ہے ایک فعال اور خود اعتماد دماغ کا فیصلہ۔ یہ فیصلہ وہ آج کریں، یا کچھ عرصہ کے بعد کریں، لیکن بہر حال انہیں کرنا ہے؛ وہ ہندوستان کی موجودہ زندگی میں اس فیصلہ کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا!

۳

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی ہے اور میرا فرض ہے کہ مسلمانوں کو متنبہ کردوں۔ ہندوستان ماضی کی سرحد سے نکل چکا ہے اور مستقبل کے دروازہ پر دستک پڑ چکی ہے۔ یہ تغیر کا موسم ہے۔ تخم ریزی کی فصل ہے خود ہم اس کی کارفرمائیاں محسوس نہیں کر رہے ہیں لیکن مستقبل کا مورخ محسوس کرے گا وہ ہمارے عہد کے ایک ایک حادثہ کا سراغ لگائے گا اور انہیں میں نئے عہد کی ساری بنیادیں دیکھنی چاہے گا اس وقت جو نقشے بھی ہم بنائیں گے جو چال ڈھال بھی اختیار کریں گے، جیسی کچھ صدائیں بھی ہماری زبانوں سے نکلیں گی انہی سے ہماری جماعتی ذہنیت کا سانچہ بنے گا اور اس سانچے میں ہمارا استقبل ڈھلے گا۔ پس ضروری ہے کہ اپنے

دل و دماغ کی نگرانی کریں، ضروری ہے کہ وقت کے سطحی تاثرات کی رو میں بہنے لگے۔ ہمیں جو روش بھی اختیار کرنی ہے، فقہ و عزم کے ساتھ اختیار کرنی ہے ہمیں زمین پر چلنا ہے لہروں میں بہنا نہیں ہے۔

ایک زمانہ تھا جب مسلمانوں نے کانگریس کی شرکت سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ وہ سرے سے سیاسی اصلاح و تغیر کے مخالف تھے۔ انہیں یہ بات سوجھائی گئی تھی کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے اس لئے یہاں جو تبدیلی بھی جمہوری اور نیابتی اداروں کے طریقے پر کی جائے گی، ہندوؤں کے لئے مفید ہوگی۔ مسلمانوں کے لئے مضر ہوگی چنانچہ ۱۸۸۶ء میں لارڈ ڈفرن اور سر آکلنڈ کالون نے سر سید احمد خاں مرحوم کو یہی راہ دکھائی تھی اور اسی بنا پر انہوں نے کانگریس کی مخالفت کا اعلان کیا تھا مگر اب زمانہ دوسرا ہو گیا ہے اب ایک طرف تو مسلمانوں کی سیاسی دوریاشی کا بند ٹوٹ چکا، دوسری طرف کانگریس کی حدود جہد اتنی دور نکل گئی کہ خود حکومت کو اپنی جگہ بدلنی پڑی، اور ملک کی پبلک لائف میں ان لوگوں کے لئے کوئی جگہ ہی نہ رہی جو تغیر و ترقی کے مخالف ہوں، نوابوں اور مہاراجوں تک کو یہ کہتے ہوئے اب شرم محسوس ہوتی ہے کہ وہ ملک کی آزادی کے مخالف ہیں۔ ۱۸۸۸ء میں سر سید مرحوم نے کانگریس کے جن مطالبات کی ہنسی اڑائی تھی اور اس طرح ذکر کیا تھا گویا اس سرزمین میں یہ باتیں کبھی ہونے والی نہیں۔ وہ کب کی ہو چکیں اور اب ملک اصلاحات کے لئے نہیں بلکہ کامل تبدیلی

کے لئے لڑ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تغیرات کے بعد اب کانگرس کی عدم شرکت کے لئے ۲۰ئ والی بات سود مند نہیں ہو سکتی۔ ناگزیر یہ ہے کہ کوئی دوسری ہی بات اختیار کی جائے۔ چنانچہ اب بعض حضرات نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جب کبھی کانگریس کی تحریک میں شرکت کا سوال چھڑ جاتا ہے یا خود کانگرس کا کوئی رکن مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے تو فوراً یہ حضرات فرقہ وارانہ حقوق اور تحفظات کا سوال چھیڑ دیتے ہیں اور معاملہ کی صورت یہ بتا دی جاتی ہے کہ جب تک مسلمانوں کو ان کے تحفظات کی طرف سے مطمئن نہیں کر دیا جاتا وہ ملکی جدوجہد میں شریک نہیں ہو سکتے اور اگر وہ اپنے مستقبل کو خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتے تو انہیں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیئے۔

ان حضرات نے مسلمانوں کی عدم شرکت کا جو مقدمہ اب ترتیب دیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزادی کی جدوجہد سے کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ وہ مخالف کیوں ہونے لگے؟ انہی کو تو اس قافلہ کی سالاری اور اس لشکر کی سروری و سرداری پہنچتی ہے وہ تو اس راہ میں دوسروں کی بھی منزلوں آگے جانے کے لئے طیار ہیں۔ مگر ساری مصیبت یہ آ پڑی ہے کہ انہیں اپنے حقوق اور تحفظات کی طرف سے اطمینان نہیں۔ انہیں خطرہ ہے کہ اگر برطانی اقتدار ملک میں باقی نہیں رہے گا یا بالکل کمزور پڑ جائیگا تو ہندو اکثریت ان کے حقوق پامال کر دے گی۔ وہ اقلیت میں ہیں اور اقلیت سیاسی تبدیلی کا جبھی ساتھ دے سکتی ہے جبکہ اسے مطمئن کر دیا جائے کہ تبدیلی اس کا حشر کیا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ میں دیکھتا ہوں،

آج کل بھی بحث و نظر کا رخ اسی طرف پھیر دیا گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ لوگ محض "حقوق" اور "تحفظات" کا لفظ سن کر بے قابو نہ ہو جائیں۔ بلکہ فہم و بصیرت کے ساتھ اس مقدمہ پر غور کر لیں۔

اچھا مسلمانوں کی یہ بے اطمینانی جس نے آٹھ کروڑ انسانوں کے لئے ایک جماعتی خطرہ کی نوعیت پیدا کر لی ہے اور جس کی دہشت سے آزادی کا عشق اور ادائے فرض کا عزم تک دب کر رہ گیا ہے، کن کن باتوں میں ہے یہ حضرات ہمیں بتلاتے ہیں کہ ساری باتوں میں مسلمانوں کی کوئی بات بھی نہیں جسے وہ محفوظ سمجھ سکیں۔ انہیں ہر طرف خطرہ ہی خطرہ دکھائی دے رہا ہے وہ اپنی جس متاعِ محبوب کو دیکھتے ہیں، ان کے بے بس ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے۔ اُن کے سیاسی حقوق خطرہ میں ہیں، اُن کے معاشرتی حقوق خطرہ میں ہیں، اُن کے شہری حقوق خطرہ میں ہیں۔ ان کے رسوم و عوائد خطرہ میں ہیں اُن کے اجتماعات و محافل خطرہ میں ہیں ان کی تہذیب خطرہ میں ہے ان کی زبان خطرہ میں ہے ان کا رسم الخط خطرہ میں ہے۔ ان کی پوری زندگی خطرہ میں ہے۔ ان کے لئے اب خطروں کے سوا اور کچھ بھی نہیں رہا پھر کاش خطروں کا سلسلہ صرف اسی حد تک پہنچکر رک جاتا مگر نہیں وہ کسی حد پر بھی رکنے والا نہیں ہمیں اس سے بھی زیادہ سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ہمیں بتلایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی بے بسی اور اندیشناکی نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ وہ اپنے مذہب کو بھی خطرہ میں دیکھ رہے ہیں انہیں اس بات کا بھی بھروسہ نہیں رہا کہ ان کے

شخصی قوانین محفوظ رہیں گے یعنی انہیں اندیشہ ہے کہ "آئندہ ایک مسلمان اپنا نکاح اس صورت پر کرا سکے گا یا نہیں جس طریقہ اسے اسلامی ضوابط کے رو سے کرانا چاہئے" یہ حضرت مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ جب انہیں اپنے مذہب تک کی طرف سے اطمینان نہیں تو کیوں کر ممکن ہے کہ وہ ہندو اکثریت پر بھروسہ کر کے ملکی جدوجہد میں شریک ہو جائیں" کبرت کلمة تخرج من افواههم ان یقولون الا کذبا۔

خطروں اور تباہ حالیوں کی اس اندیشہ ناکی کا کن لوگوں کو یقین دلایا جا رہا ہے؟ ان لوگوں کو جو بہ لحاظ تعداد کے ہندوستان کی سب سے بڑی دوسری اکثریت اور بلحاظ معنوی قوی کے سب سے پہلی طاقتور جماعت ہیں۔

اور پھر ان تمام خطروں کا انسداد کیوں کر ہو سکتا ہے۔ صرف اس طرح انڈین نیشنل کانگرس ایک رزولیوشن پاس کر دے۔ جونہی اس نے ریزولیوشن پاس کر دیا "خطروں اور تباہ حالیوں کا تمام بادل جو آٹھ کروڑ انسانوں کے سروں پر چھایا ہوا ہے، معاً چھٹ جائے گا۔ یقین و طمانیت کا سورج چمکنے لگے گا۔ خوشحالی کا دور دورہ ہو جائے گا اور پھر وہ خوش خوش کانگرس میں شریک ہو کر آزادی کی لڑائی لڑنے لگیں گے ان کے ایک ہاتھ میں کانگرس کا پروانہ حفاظت ہوگا دوسرے میں کانگرس کا جھنڈا جب خطروں کے ہراس سے دل ڈوبنے لگے گا تو کانگرس کا پروانہ شہد لگا کر چاٹنے لگیں گے جب دل کا ہراس دور

ہو جائے گا تو کانگرس کا جھنڈا زور زور سے ہلنے لگیں گے۔

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
میرے دونوں ہاتھ نکلے کام کے

۴

میں ابھی ابھی کہہ چکا ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی شخص اس بات کا خواہشمند نہ ہوگا کہ مسلمان کانگرس میں شریک ہوں لیکن میں مسلمانوں سے صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ معاملہ کو اس صورت میں دیکھ کر قدم اٹھانا چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ نہ اٹھائیں اس طرح شریک ہونے سے ہزار درجہ بہتر ہوگا کہ شرکت کا نام بھی اُن کی زبان پر نہ آئے انہیں اگر کانگریس میں شریک ہونا چاہیئے تو صرف اس لئے کہ انہیں اپنے اوپر بھروسہ ہے اس لئے نہیں کہ دوسروں نے انہیں بھروسہ دلا دیا ہے یا دوسرے انہیں بھروسہ دلا سکتے ہیں اگر فی الحقیقت ان کی بے بسی اور بے چارگی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں، خطروں اور تباہ حالیوں میں گھر گئے اور تحفظ کی راہ اس کے سوا کچھ نہ رہی کہ یا تو انگریزی اقتدار کے سہارے جئیں یا کانگریس کے اطمینان دلا دیے پر اور خود ان کے اندر خود اعتمادی و ہمت کی ایک چنگاری بھی نہیں رہی جو ان کی ٹھنڈی رگوں کو گرم کر سکے، تو میں کہوں گا ایسی زندہ نعشوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ جہاں پڑی ہیں پڑی رہیں وہ نہ تو انگریزی اقتدار کی طرف دیکھیں نہ کانگریس کی طرف وہ خودداری کے ساتھ مستقبل کے فیصلہ

کا انتظار کریں۔ یہ اُن کی چودہ صدیوں کی تاریخ کا کم سے کم مطالبہ ہے جس سے ان کے کانوں کو بہرا نہیں ہو جانا چاہیئے۔

وإذا لم يكن من الموت بدٌ
فمن العار أن تكون جبانا

بلاشبہ میں آرزو مند ہوں کہ مسلمان میدان میں اُتریں۔ لیکن میں چاہتا ہوں، انہیں اس طرح میدان میں دیکھوں، جس طرح ایک بہادر اور بے خوف آدمی میدان کا رخ کرتا ہے۔ خود اعتمادی سے سر اٹھا ہوا عزم و یقین سے سینہ تنا ہوا۔ وہ میدان کے خطروں سے بے خبر نہیں ہوتا۔ یہ خطرے ہر طرف سے آسکتے ہیں۔ مگر وہ جانتا ہے کہ خطروں کے لئے اُسے دوسروں کی طرف نہیں دیکھنا ہے خود اپنی ہمت اور پامردی پر اعتماد کرنا ہے لیکن اگر وہ اس طرح میدان میں نہیں اتر سکتے اور ساتھیوں سے شرطیں منوا لینے کی فکر میں ہیں تو میں بلا تامل اپنی ساری آرزوؤں سے دستبردار ہو جاؤں گا میں یہ برداشت کر لوں گا کہ وہ میدان میں نہ اتریں۔ مگر اُسے برداشت نہیں کر سکتا کہ ڈرتے ہوئے اور سہمے ہوئے قدم اٹھائیں۔ اس طرح کی ڈرتی ہوئی روح اور کھوئی ہوئی ہمت لے کر اگر وہ میدان میں اترے بھی تو یہ زندگی اور عزت کا اقدام نہ ہوگا۔ بے چارگی اور نامرادی سے کسی کے پیچھے پیچھے گھسٹنا ہوگا انہوں نے جوں ہی معاملہ کو اس شکل میں دیکھا کہ وہ خطروں میں گھر گئے ہیں اور تحفظ کی شرطیں منوا کر ہی قدم

اٹھا سکتے ہیں' ان کی ہستی باقی نہیں رہی۔ انہوں نے زندگی اور کامرانی کی جگہ کھو دی۔ انہوں نے نامرادانہ مان لیا کہ دوسروں کے رحم پر ہیں اور یہی مان لینا امن کے لیے سم قاتل ہے وہ کانگریس میں شریک نہیں ہونا چاہتے' نہ ہوں' مگر خدا کے لیئے اس زہر کا پیالہ لبوں سے نہ لگائیں۔ یہ ان کے حلق سے نیچے اترا اور ان کے دل کا ایک ایک ریشہ مردہ ہو گیا۔

دو حالتیں ہیں اور اس لیے حکم بھی دو ہونے چاہئیں۔ ایک بے عملی کا تعطل ہے۔ ایک خود فراموشی کی موت ہے اگر مسلمان کانگریس میں شریک نہیں ہوتے تو یہ بے عمل کا تعطل ہوا۔ لیکن اگر کانگریس سے پروانۂ حفاظت لے کر شریک ہونا چاہتے ہیں تو یہ خود فراموشی کی موت ہوئی' تعطل آج نہیں تو کل دور ہو جائے گا۔ لیکن اگر موت آگئی تو اسے کون ٹال سکے گا؟ افسوس ان دانوں کی سمجھ پر! یہ شاخوں اور پتوں' کے لیئے روتے ہیں اور ان کے حصول کا طریقہ یہ سمجھتے ہیں کہ جڑ پر آرہ چلاتے ہیں۔ حالانکہ نہیں جانتے شاخوں اور پتوں کا سارا کارخانہ جڑ کے دم سے قائم رہتا ہے۔ جب جڑ ہی نہیں تو شاخیں کہاں سے آئیں گی؟ پھول پتے کس میں لگیں گے؟ کہاں کی باغبانی ہے کہ پتوں کے عشق میں سرے سے جڑ ہی کا خاتمہ کر دیا جائے؟ ہا میر درد کا شعر کتنا پامال ہو چکا ہے پھر بھی اسے بھلا نہیں سکتا۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے ۞ کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

یہ کیا موت کے گھونٹ ہیں جو علانیہ مسلمانوں کو پلائے جا رہے ہیں اور کوئی نہیں جو ان لوگوں کا ہاتھ پکڑ لے؟ آخر بزدلی اور ہمت فروشی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ آٹھ کروڑ ان لوگوں جن کی فکن آلود پیشانیوں پر آج بھی چودہ صدیوں کی تاریخ کے مدھم حروف پڑھے جا سکتے ہیں یہ یقین دلانا کہ وہ مر گئے تباہ ہو گئے اور اس قابل بھی نہ رہے کہ مستقبل میں خود اپنے مفاد کی حفاظت کر سکیں یقیناً ان کی خودداری اور خود اعتمادی کے سارے احساسات کو ایک قلم قتل کر ڈالنا ہے اور اگر ایک جماعت ان احساسات کی روح ہی سے محروم ہو گئی۔ تو پھر حقوق کے پروانے اور تحفظات کے ٹھپے اسے کیا کام دیں گے؟ افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی بھی روح سے ہوتی ہے۔ روح اگر موجود ہے تو سب کچھ موجود ہے روح اگر نکل گئی تو سب کچھ جاتا رہا۔ جسم جماعت کے لئے یہ روح کیا ہے؟ جماعتی شرف و عزت کا احساس خود اعتمادی کا یقین، عزم و ہمت کا ولولہ سعی و عمل پر اعتماد، جس جماعت میں یہ روح موجود ہے، وہ زندہ ہے اور جب زندہ ہے تو زندگی کے تمام لوازم حاصل کر کے ہی رہے گی۔ جس جماعت نے یہ روح کھو دی وہ مردہ ہو گئی اور مردے کے چاروں طرف قیمتی غذاؤں کے کتنے ہی خوان جمع کر دو، وہ زندہ نہیں ہو جائیگا۔

ڈاکٹر امبیدکار نے اچھوتوں کی جنس کس فخر ہندوستان کے بازار میں رکھدی ہے، جو زیادہ بولی بول سکے، آگے بڑھے اور خرید لے

کیا مسلمان چاہتے ہیں، وہ بھی بازار سیاست کی ایک ایسی ہی جنس بن کر رہ جائیں کہ جو ہمارے جی کا ڈر نکال دے ہمیں خرید لے؟ اسی بازار میں انہوں نے کبھی قوموں کی قیمتیں خرید لی تھیں۔ اگر آج اس قابل نہ رہے کہ دوسروں کی متاع ہمت خرید سکیں تو کم از کم اپنی ہمت تو اس ارزانی کے ساتھ فروخت کرتے نہ پھریں۔ ؏

فتادم دام بر کنجشک و شادم، یاد آں ہمت
کہ گر سیمرغ می آمد بہ دام آزاد می کردم

راقم رہبر الماسی